نیا سال مبارک ہو

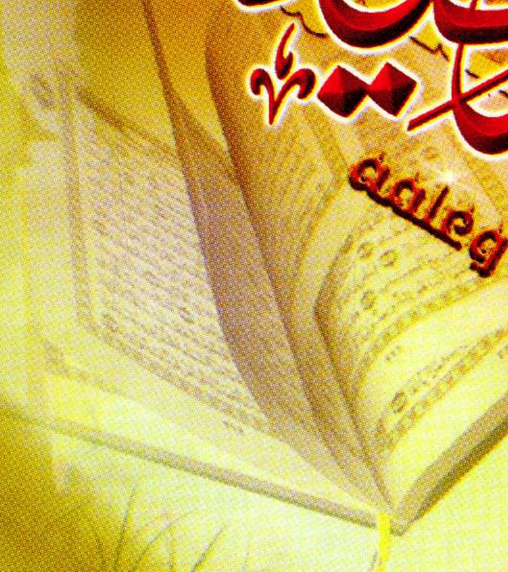
جنوری ۲۰۰۹ء

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارکپور



من تعلم القرآن وعلمه

مبارک حسین مصباحی

قیمت ۱۵/روپے

۷۸۶

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

زیر سرپرستی

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

محرم ۱۴۳۰ھ

جنوری ۲۰۰۹ء

جلد نمبر ۳۳ شمارہ ۱

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴	**THE ASHRAFIA MONTHLY** Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404	قیمت عام شمارہ: 15 روپے سالانہ: 150 روپے
چیک اور ڈرافٹ بنام **مدرسہ اشرفیہ** بنوائیں	کوڈ نمبر —— 05462 دفتر ماہنامہ اشرفیہ —— 250149 الجامعۃ الاشرفیہ —— 250092 دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122	سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ 500 روپے دیگر بیرونی ممالک 20 $ امریکی ڈالر 15€ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نگارشات

یزید نوازوں سے دو باتیں

مبارک حسین مصباحی

کربلا کی سرزمین پر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن سعد بن ابی وقاص کو مخاطب کر کے تین باتیں ارشاد فرمائی تھیں:

(1) میں جس طرف سے آیا ہوں، اسی طرف مجھ کو واپس جانے دو تاکہ میں مکہ معظمہ پہنچ کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو جاؤں۔

(2) مجھ کو کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو کہ وہاں کفار کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔

(3) تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور مجھ کو سیدھا یزید کے پاس دمشق کی جانب جانے دو۔ میرے پیچھے اپنے اطمینان کی غرض سے تم بھی چل سکتے ہو۔ میں یزید کے پاس جا کر براہِ راست اس سے اپنا معاملہ اس طرح طے کر لوں گا جیسا کہ میرے بڑے بھائی حضرت امام حسن نے امیر معاویہ سے طے کیا تھا۔

عمرو بن سعد ان باتوں کو سن کر بہت خوش ہوا اور کہا کہ میں بذاتِ خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، میں ابھی عبید اللہ بن زیاد کو اطلاع دوں گا۔ عمرو بن سعد اسی میدان میں خیمہ زن ہو گیا اور ابن زیاد کو یہ تمام صورت حال لکھ کر بھیج دی۔ لیکن شمر ذی الجوشن جو اس وقت ابن زیاد کے پاس موجود تھا۔ اس نے کہا: اے امیر! اس وقت تجھ کو موقع حاصل ہے تو امام حسین کو بلا تکلف قتل کر دے، تجھ پر کوئی الزام عائد نہیں ہوگا، لیکن اگر امام حسین یزید کے پاس چلے گئے تو پھر ان کے مقابلے میں تیری کوئی عزت وقدر باقی نہیں رہے گی اور وہ تجھ سے زیادہ مرتبہ حاصل کر لیں گے۔ شمر ذی الجوشن کے اس مشورے کے بعد ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو جواب میں لکھا۔ یہ تینوں باتیں کسی طرح منظور نہیں، ہاں صرف ایک صورت نکل سکتی ہے کہ امام حسین اپنے آپ کو ہمارے سپرد کر دیں اور یزید کے نائب کی حیثیت سے میرے ہاتھ پر بیعت کر لیں پھر میں یزید کے پاس اپنے اہتمام سے روانہ کر دوں گا۔

اس جواب کے بعد عمرو بن سعد نے حضرت امام حسین کو ابن زیاد کے جواب سے باخبر کیا کہ ابن زیاد خلافت یزید کی بیعت پہلے اپنے ہاتھ پر لینا چاہتا ہے اور آپ کی کسی بات کو منظور کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ سن کر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ابن زیاد کی بیعت کرنے سے تو مر جانا بہتر ہے۔ اور پھر کربلا کی سرزمین پر امام حسین اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑے گئے، دنیا آج تک ان مظالم کو فراموش نہیں کر سکی۔ یہ سچ ہے کہ میدان کربلا میں بھوکے پیاسے بہتر نفوس قدسیہ خوں خوار یزیدیوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور ہوس اقتدار کے پجاریوں نے گلشن رسالت کو تاراج کر دیا۔ تاریخ اسلام کا یہ انتہائی بھیانک حادثہ تھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والوں نے اپنے نبی کی اولاد کو تہِ تیغ کیا، ان پر پانی بند کیا، حرم مصطفیٰ کی مقدس خواتین کو بے آبرو کیا، سروں کو نیزوں پر اٹھایا، لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا۔ یہ دل ہلا دینے والا واقعہ جب بھی سماعتوں سے ٹکراتا ہے، آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور دل ودماغ پر غموں کے بادل چھا جاتے ہیں۔

مگر افسوس آج بھی روے زمین پر کچھ یزید نواز اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمن ہیں جو گاہے بہ گاہے اس قسم کے بے ہودہ سوالات اٹھاتے رہتے ہیں کہ یزید پلید کی خلافت برحق تھی اور امام حسین نے خلاف شرع ہوس اقتدار کی تسکین کے لیے یزیدیوں کے خلاف خروج کیا تھا۔ گزشتہ دنوں ممبئی کے ایک مشہور میڈیائی غیر مقلد نے بھی اس سلسلہ میں بڑی بکواس کی اور یزید پلید کو خلیفۂ برحق کہا۔ حالاں کہ حق یہی ہے کہ یزید پلید ناحق اپنی خلافت کا دعوے دار تھا۔ بہت سے اکابر صحابہ اور اولاد صحابہ نے اس کی خلافت کو یک سر مسترد کر دیا تھا۔ اگرچہ عہد رسالت کی بہاریں کسی حد تک ختم ہو چکی تھیں تاہم بہت سے صحابہ اور اکابر صحابہ کی اولاد جنھیں خود بھی مدنی تاج دار کی صحبت کا شرف حاصل تھا، ابھی موجود تھیں۔ خصوصاً حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت حسین بن علی، حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت عبد الرحمٰن بن

ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ حضرات بلند کردار و اخلاق کے پیکر اور دین و دانش کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ عدل و انصاف، علم و فضل، امانت و دیانت اور حق و صداقت کے اوصاف و کمالات ان میں بھرپور موجود تھے۔ ان حضرات کی موجودگی میں یزید پلید کی خلافت کسی طرح بھی مناسب نہیں تھی۔

===================

یزید ابن معاویہ 65ھ یا 66ھ میں اس وقت پیدا ہوا جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام ملک شام کے حاکم تھے، اس کی ماں کا نام میسون بنت کجدل تھا جو قبیلہ بنو کلب میں سے تھی۔ یزید نہایت موٹا تازہ آدمی تھا اور اس کے جسم پر بہت بال تھے۔ اس کو شکار کا بہت شوق تھا۔ حضرت امیر معاویہ کے مرض الموت میں وہ دمشق کے اندر موجود نہیں تھا۔ آدمی بھیج کر اس کو بلوایا گیا۔ حضرت امیر معاویہ نے اس کو وصیت کی، مگر باپ کے خطرناک مرض کے باوجود وہ شکار کو چلا گیا۔ حضرت معاویہ کے انتقال کے وقت بھی وہ شکار پر تھا۔ کئی دن کے بعد واپس آیا۔ شعر و شاعری کا بھی خوب رسیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ کی زندگی میں اس کے لیے بیعت ہو چکی تھی لیکن اکثر لوگ اسی وجہ سے اس سے سخت ناراض اور منقبض تھے۔ مدینہ منورہ کے بعض اکابر نے تو بیعت سے قطعی انکار کر دیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ کی تحریک اور مشورہ سے یزید کی نامزدگی عمل میں آئی تھی، امت مسلمہ کو جس کا سخت خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اسی لیے حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا کہ ”مغیرہ بن شعبہ نے مسلمانوں میں ایک ایسی رسم جاری ہونے کا موقع پیدا کر دیا جس سے مشورہ جاتا رہا اور باپ کے بعد بیٹا بادشاہ ہونے لگا۔“

اب ہم امامت و خلافت کی شرعی اہلیت پر گفتگو کرنے سے پہلے یزید کے ذاتی عادات و خصائل پر ایک نظر ڈالتے ہیں تا کہ جب ہم شریعت کا آئینہ دکھائیں تو اس کی حیثیت و اہلیت نگاہوں کے سامنے آسکے اور اس کو امیر المومنین اور خلیفۂ برحق کہنے والے بھی اپنی عقل و خرد پر ماتم کر سکیں۔ مشہور مفسر و مورخ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

”یزید شہوت پرستی کا دلدادہ تھا، اکثر نمازیں ترک کرتا تھا۔“ (البدایۃ والنہایۃ، ج:8، ص:230)

عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ نے فرمایا

”ہم کو یزید کی حکومت میں خوف پیدا ہو گیا تھا کہ آسمان سے پتھر نہ برسنے لگیں، کیوں کہ یہ ایسا شخص تھا، سوتیلی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرتا تھا، شراب پیتا اور تارکِ صلاۃ تھا۔“ (تاریخ الخلفاء، ص:141)

یزید کی موت کے بعد جب اس کا لڑکا معاویہ بن یزید تخت شاہی پر بیٹھا تو بر سر منبر مجمع کو مخاطب کر کے کہا:

”پھر میرے باپ یزید تخت پر بیٹھے۔ یقیناً ہمارے لیے دشوار امر یہ ہے کہ ہم ان کے انجام پر اور عذاب آخرت سے واقف ہیں، انھوں نے عزت رسول کو شہید کیا، شراب کو حلال اور خانہ کعبہ کو تباہ و برباد کیا۔“ (صواعق محرقہ، ص:122 طبع مصر)

علامہ امام حافظ ابن کثیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

”اور بے شک روایت کیا گیا ہے کہ وہ یزید مشہور تھا آلات لہو و لعب کے ساتھ اور شراب کے پینے اور گانا بجانا سننے اور شکار کھیلنے اور بے ریش لڑکوں کو رکھنے اور چھینے بجانے اور کتوں کے رکھنے میں اور سینگوں والے دنبوں اور ریچھوں اور بندروں کو آپس میں لڑانے میں۔ اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا جب کہ وہ شراب سے مخمور نہ ہوتا اور بندروں کو زین شدہ گھوڑوں پر سوار کر کے دوڑاتا تھا اور بندروں کے سروں پر سونے کی ٹوپیاں رکھتا تھا اور ایسے ہی لڑکوں کے سروں پر بھی اور گھوڑوں کی دوڑ کراتا اور جب کوئی بندر مر جاتا تھا تو اس کو اس کے مرنے کا صدمہ ہوتا تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کی موت کا سبب یہ تھا کہ اس نے ایک بندر کو اٹھا رکھا تھا اور اس کو اچھالتا تھا کہ اس نے کاٹ لیا۔ مورخین نے اس کے علاوہ بھی اس کے قبائح بیان کیے ہیں۔“ (البدایۃ والنہایۃ، ج:8، ص:135)

یزید پلید نے نور دیدۂ مصطفیٰ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل کرایا اور ان کی سخت توہین و تذلیل کی۔ یزید پر لعنت بھیجنے

اور اسے کافر کہنے میں علمائے اہل سنت کا اختلاف ہے۔ شرح عقائد کے شارح صاحب نبراس لکھتے ہیں:

”بعض علما نے یزید پر لعنت کا اطلاق ثابت کیا ہے۔ ان میں سے ایک محدث ابن جوزی ہیں جنھوں نے اس مسئلہ میں ایک کتاب بہ نام ”الرد علی المتعصب العنید المانع ذم الیزید“ لکھی ہے اور انھیں میں احمد بن حنبل اور قاضی ابو یعلیٰ بھی ہیں۔“ (نبراس شرح عقائد، ص:553)

علامہ شیخ محمد بن علی الصبان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”بے شک امام احمد بن حنبل یزید کے کفر کے قائل ہیں اور ان کا علم و ورع اس بات کا مقتضی ہے کہ انھوں نے یزید کو کافر اسی وقت کہا ہوگا جب کہ ان کے نزدیک صریح طور پر وہ امور ثابت ہو گئے ہوں گے اور یزید سے وہ باتیں واقع ہوئی ہوں گی جو موجب کفر ہیں اور کفرِ یزید کے قول پر علما کی ایک جماعت نے ان کی موافقت کی ہے، جیسے ابن جوزی وغیرہ۔“ (اسعاف الراغبین، ص:210)

شیخ شہاب الدین بن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں:

”جب یزید کے پاس حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک آیا تو اس نے اہل شام کو جمع کیا اور خیزران کی لکڑی جو اس کے ہاتھ میں تھی اس سے امام کے سر انور کو الٹ پلٹ کرتا تھا اور زبعری کے یہ اشعار جو مشہور ہیں پڑھتا تھا۔ اے کاش میرے بزرگ جو بدر میں مارے گئے، آج زندہ موجود ہوتے اور اس نے ان شعروں میں دو شعر اور زیادہ کیے جو صریح کفر پر دلالت کرتے ہیں۔ ابن جوزی نے کہا ابن زیاد کا امام حسین کو قتل کرنا اس قدر تعجب خیز نہیں تعجب خیز تو یزید کا خذلان ہے۔“ (الصوائق المحرقہ، ص:218)

امام احمد رضا قدس سرہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”یزید پلید علیہ ما یستحقہ من العزیز المجید قطعاً بہ اجماع اہل سنت فاسق، فاجر و جری علی الکبائر تھا، اس قدر پر ائمۂ اہل سنت کا اطباق و اتفاق ہے۔ صرف اس کی تکفیر و لعن میں اختلاف فرمایا، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اتباع و موافقین اسے کافر کہتے ہیں اور بہ تخصیص اس پر لعن کرتے ہیں...... یزید نے والی ملک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا، حرمین طیبین و خود کعبۂ معظمہ و روضۂ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں، مسجد کریم میں گھوڑے باندھے، ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے۔ تین دن مسجد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے اذان و نماز رہی، مکہ و مدینہ و حجاز میں ہزاروں صحابہ و تابعین بے گناہ شہید کیے گئے۔ کعبۂ معظمہ پر پتھر پھینکے، غلاف شریف پھاڑا اور جلایا، مدینہ طیبہ کی پاک دامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کر دیں۔“ (عرفان شریعت، ص:31)

ان چند شواہد کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ یزید پلید ہرگز خلافت کا مستحق نہیں تھا۔ جو شخص شراب میں مخمور رہے، زنا کرے، سوتیلی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرے۔ بہ الفاظ دیگر اعلانیہ زنا کا ارتکاب کرے، خانۂ کعبہ اور روضۂ اطہر کی توہین کرے، تین شبانہ روز تک خواتین مدینہ کو اپنی فوج پر حلال کر دے، بیت المال کو اپنی ملکیت سمجھ کر بے دریغ اسراف کرے، ستم بالائے ستم یہ کہ مسلمانوں سے جبریہ بیعت لے اور انکار کی صورت میں قتل عام کرائے، جو بیعت توڑ دے اسے اپنی فوج کے ذریعہ نشانۂ ستم بنائے۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے لوگوں نے یزید کی بیعت کرنے سے باز رکھا، بعض اکابر صحابہ نے سخت مخالفت کی۔ یہ الگ بات ہے کہ ظاہری قوت اور عسکری طاقت نہ ہونے کی وجہ سے امت مسلمہ نے چشم پوشی کی اور رخصت پر عمل کیا، صحابۂ کرام نے خاموشی اختیار کی اور مکہ چھوڑ کر مدینہ کا رخ کیا۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوفیوں نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا اور مسلسل خطوط لکھے تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کے خلاف عزم سفر کیا اور ایک ظالم حکمراں سے مسلمانوں کو نجات دلانے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

===================

یزید پلید بلاشبہ ظالم حکمراں تھا، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو بدلا۔حلت وحرمت کے پیمانے توڑے۔ یزید کا وجود اسلام کے خلاف ایک فتنہ بن کر ابھرا اور امت مسلمہ کو اختلاف وانتشار میں مبتلا کر دیا بلکہ اس کے ناپاک نتائج آج تک سامنے آرہے ہیں۔ غیب داں پیغمبر مدنی تاج دار صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر فتنوں کے ظہور کی طرح فتنۂ یزید کی بھی نشان دہی کی تھی۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یقول من یبدل سنتی رجل من بنی امیة یقال له یزید." (الصواعق المحرقه)

فرماتے تھے پہلا وہ شخص جو میرے طریقے کو بدلے گا وہ بنی امیہ میں سے ہوگا، جس کو یزید کہا جائے گا۔"

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر سرکار علیہ السلام نے فرمایا:

"لا یزال امر امتی قائماً بالقسط حتی یکون اول من یثلمه رجل من بنی امیة یقال له یزید." (البدایة والنهایة، ج:8، ص:231)

میری امت کا امر حکومت عدل کے ساتھ قائم رہے گا یہاں تک کہ پہلا شخص جو اسے تباہ کرے گا وہ بنی امیہ میں سے ہوگا جس کو یزید کہا جائے گا۔

ان ناقابل تردید حقائق کے باوجود بھی اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ یزید خلیفۃ المسلمین تھا اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کے خلاف ناجائز خروج کیا تھا یا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہوس اقتدار کی پیاس بجھانے کے لیے معرکۂ کربلا برپا کیا تھا تو یہ اس کا عقلی دیوالیہ پن ہے۔ اسے تاریخ اسلام سے دور کی بھی آشنائی نہیں۔ خلافت کے لیے اسلام نے جو شرائط قائم کیے ہیں وہ یزید پلید میں ہرگز نہیں تھے۔

علامہ امام عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امامت کبریٰ کے لیے پانچ شرطیں ہیں، اسلام، بلوغ، عقل، آزاد ہونا، اعتقادی اور عملی فسق کا نہ ہونا۔ اس لیے کہ فاسق امور دین کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا اور نہ اس کے اوامر ونواہی پر وثوق کیا جا سکتا ہے اور ظالم سے دین و دنیا کا امر مختل یعنی تباہ ہو کے رہ جائے گا تو کس طرح وہ ولایت وامارت کے لائق ہے اور اس کے شر کو دفع کرنے کے لیے اور کون ۔ کم ہوگا۔ کیا بھیڑیے سے بکریوں کی رکھوالی تعجب خیز نہیں۔" (حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ)

اب اس عبارت کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کریں کہ یزید اس لائق تھا کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی بیعت کریں یا طاقت پا کر اس کے خلاف خروج ضروری تھا؟

سورہ بقر کی آیت نمبر 124 کے تحت علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

"بے شک وہ امام ہو سکتا ہے جو عدل واحسان اور فضل جیسی صفات حسنہ سے متصف ہو اور اس کے ساتھ اس میں حکومت کی ذمہ داریوں کو بجالانے کی قوت بھی ہو، ایسے ہی امام کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اس سے مت جھگڑو، لیکن جو فاسق وفاجر اور ظالم ہوں وہ امامت وخلافت کے اہل نہیں۔" (تفسیر قرطبی)

امام رازی اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

"جمہور فقہا اور متکلمین نے فرمایا کہ فاسق کو اس کے حالت فسق میں حاکم مقرر کرنا جائز نہیں۔" (تفسیر کبیر، ج:1 ص:494)

قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ." (الشعرا:151)

اور نہ مانو حکم ان حد سے گزرنے والوں کا جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

اس آیت کریمہ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ان حکمرانوں کی اطاعت ہرگز نہیں کرنا چاہیے جو کفر وشرک یا ظلم وفسق کی وجہ سے ملک

میں فساد پھیلاتے ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا طاعة لمن عصی الله." جو اللہ کی نافرمانی کرے اس کی اطاعت نہیں۔

ایک اور موقع پر سرکار نے ارشاد فرمایا:

"لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق." خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں.

====================

حامیانِ یزید ایک اعتراض اور اٹھاتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یزید کے خلاف خروج صحیح تھا تو صحابۂ کرام انھیں کوفہ جانے سے کیوں روک رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام حسین کا خروج درست نہیں تھا۔ یہ ان کی دریدہ وہنی اور غلط فہمی ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابۂ کرام اور اہل مدینہ اس لیے روک رہے تھے کہ انھیں اہل کوفہ پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اہل کوفہ بڑے بے وفا ہیں۔ وہ اپنے وعدوں پر قائم نہیں رہیں گے۔ ان کے نزدیک یزید کے خلاف خروج کے اسباب موہوم تھے۔ جب کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل کوفہ کے مسلسل خطوط سے یہ سمجھ رہے تھے کہ اہل کوفہ یزید کے ظلم وستم سے بے حد پریشان ہیں اور انھیں ہماری حمایت وقیادت کی سخت ضرورت ہے۔ امام حسین اور دیگر صحابۂ کرام میں اختلاف صرف اسباب کے مہیا ہونے اور نہ ہونے کا تھا۔ اس پر سب متفق تھے کہ یزید کی خلافت ناحق ہے۔ اسی لیے حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت امام حسین بن علی، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کی بیعت نہیں کی تھی اور جن حضرات نے بیعت کر لی تھی وہ دراصل حکومت کے دباؤ میں مجبور تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر اختلاف کیا تو امت مسلمہ سخت انتشار اور قتل وخوں ریزی میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس لیے انھوں نے رخصت پر عمل کیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی عزیمت کا مظاہرہ کیا۔ اور اگر ان نازک حالات میں حضرت امام حسین ہی رخصت اختیار کرتے تو دین کا چہرہ ہمیشہ کے لیے داغ دار ہو جاتا اور پھر عزیمت واستقامت کی مثال کون پیش کرتا؟ قیامت تک اس قسم کے حالات پیدا ہوتے رہیں گے اور غلامانِ حسین باطل کی سرکوبی کے لیے عزیمت و استقامت اور صبر واستقلال کا مظاہرہ کرتے رہیں گے۔ واضح رہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سفر خلافت حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ مسلمانوں کو ان کے پیہم اصرار پر ظالم کے شر سے نجات دلانے کے لیے تھا۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت امام حسین کا خروج (یزید کے خلاف) دعوائے خلافت راشدہ کی بنا پر نہ تھا کیوں کہ وہ تو تیس سال گزرنے پر ختم ہو چکی تھی، بلکہ رعایا کو ایک ظالم (یزید) کے ہاتھ سے نجات دلانے کی بنا پر تھا اور ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کرنا واجبات دین سے ہے۔" (فتاویٰ عزیزی، ج:1، ص:21)

حدیث شریف میں ہے کہ بادشاہِ وقت کی بغاوت اور اس کے خلاف کھڑا ہونا غلط ہے، اگرچہ بادشاہ ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اس بادشاہ کے لیے ہے جو بلا اختلاف اور جھگڑے کے اپنا پورا تسلط حاصل کر لے، جب کہ یزید کو امت مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ ناپسند کرتا تھا اور بعض اہم شخصیات نے اس کی بیعت کو عملاً تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ حضرت شاہ عبد العزیز اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اور یہ جو مشکوٰۃ شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہِ وقت کی بغاوت اور اس کے خلاف کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے، خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو، یہ اس وقت کے لیے ہے کہ وہ ظالم بادشاہ بلا کسی جھگڑے اور مزاحمت کے پورا پورا تسلط حاصل کر لے، اور یہاں ابھی تک اہل مدینہ، اہل مکہ اور اہل کوفہ یزید پلید کے تسلط سے راضی ہی نہ تھے اور حضرت امام حسین وعبد اللہ بن عباس وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے حضرات نے اس کی بیعت ہی نہیں کی تھی۔" (فتاویٰ عزیزی، ج:1، ص:21)

افسوس، آج بھی کچھ لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ باغی تھے۔ یہ ان کی اہل بیت کرام

سے عداوت کی علامت ہے۔ یزید پلید کے خلاف حضرت امام حسین کا خروج حق وصداقت پر مبنی تھا، اس قسم کی باتیں کرنا روشن خیالی نہیں بلکہ جہالت ونادانی ہے۔ حضرت ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

''اور یہ جو بعض جاہلوں نے افواہ اڑا رکھی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ باغی تھے تو یہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک باطل ہے۔ شاید یہ خارجیوں کے ہذیانات (بکواس) ہیں جو راہِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔'' (شرح فقہ اکبر، ص:87)

اب یہ حقیقت پورے طور پر واضح ہوگئی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی کہنے والے خارجی اور یزیدی ہیں۔ اہل سنت و جماعت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح یزید پلید کو خلیفۂ برحق کہنے اور لکھنے والے بھی جاہل اور گم راہ ہیں، انھیں عقل وانصاف کی روشنی میں تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ آج پھر دنیا اسلام کے خلاف یزیدی کردار دہرا رہی ہے اور بعض نام نہاد مسلمان بھی اسلام اور شریعت کو اپنی طبیعت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اپنے کرتوتوں کو جواز کی راہیں فراہم کرنے کے لیے یزید کا دامن پکڑ رہے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ اپنی چرب زبانی سے عوام الناس کی آنکھوں میں دھول تو جھونکی جاسکتی ہے مگر تاریخ کے پردے سے حسینی کردار کو مٹایا نہیں جاسکتا۔ آج پوری دنیا کربلائی میدان بنی ہوئی ہے۔ ان حالات میں ضرورت ہے کہ امت مسلمہ کے جیالے میدان میں آئیں اور اپنے بلند کردار وعمل کے ساتھ حسینی عزیمت واستقامت کا مظاہرہ کریں۔ حسینی کردار صرف یہی نہیں کہ باطل کے مقابلے میں میدانِ کارزار میں اتر جاؤ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری پوری زندگی سنت مصطفیٰ کا نمونہ اور کردار حسینی کا آئینہ ہو۔ مگر افسوس! قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں ؎

حسین ابن علی نے کی ہے قائم اک مثال ایسی — کہ تقلید اس کی تقدیر حیات جاودانی ہے

سوال و جواب

فتاواے حافظ ملت

ترتیب وتخریج: مبارک حسین مصباحی

ڈرا دھمکا کر طلاق لینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں ہادیان دین، رہبرانِ راہ متین اہل سنت وجماعت بابت اس امر کے کہ ایک شوہر نے اپنی جائداد کے خراب اور اکثر سامان خانہ داری کو فروخت کر کے اپنی نوعمر بیوی مع ایک بچہ کے مکان میں چھوڑ کر آوارہ گردی اختیار کر لی۔ جب عورت کے نان ونفقہ کی صورت نہ رہ گئی تو وہ اپنے میکے جا کر بسر اوقات کرنے لگی۔ چار سال تک انتظار کرنے کے بعد جب شوہر کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو عورت اس شوہر سے طلاق کی طلب گار ہوئی مگر شوہر نے طلاق دینے سے انکار کیا۔ عورت نے موضع کے چند مسلمانوں کو اکٹھا کیا، اس میں بھی شوہر حاضر ہونے سے انکاری ہوا۔ شوہر کی کج خلقی، آوارگی اور بربادی جائداد وغیرہ کے سبب عورت کسی صورت شوہر کے یہاں جانے کے لیے رضامند نہ ہوئی۔ عورت کی عصمت دری کا اندیشہ دیکھ کر عورت کے والدین اور چند دیگر اشخاص نے شوہر سے جبراً وقہراً طلاق نامہ لکھوا کر بعد گزرنے عدت کے عورت کا عقد ثانی کر دیا۔ پس (۱) یہ طلاق وعقد ثانی جائز ہوا یا نہیں؟ (۲) اگر جائز نہیں ہوا تو دوسری صورت کیا ہے؟ (۳) ایسے نکاح پڑھانے والے پر کیا حکم ہے۔ بحوالہ کتب اہل سنت مع دستخط ومہر جواب ارسال فرمائیں۔

مستدعیان: محمد عبد اللہ خان ومحمد عباس خاں حنفی قادری مجددی ساکنان موضع مکند پور، ڈاک خانہ، نظام آباد، اعظم گڑھ

الجواب

اگر معمولی طور پر ڈرا دھمکا کر طلاق نامہ لکھوایا ہے جو شرعاً اکراہ ملجی نہیں یا اکراہ ملجی تھا مگر زبانی بھی شوہر نے طلاق دی تو ان دونوں صورتوں میں طلاق ہوگئی اور نکاحِ ثانی صحیح ہو گیا۔ نکاح پڑھانے والے پر کوئی الزام نہیں۔ اور اگر وہ شوہر شرعاً مجبور تھا یعنی اس پر ایسا جبر کیا گیا کہ اسے جان جانے یا ہاتھ پیر توڑنے یا کسی گھر میں قید کیے جانے کا گمان غالب ہوا اور اس نے الفاظ سے طلاق نہ دی بلکہ صرف لکھا ہو تو اس صورت میں طلاق نہیں پڑی اور دوسرا نکاح باطل ہوا۔ عورت اس صورت میں اس دوسرے شخص کے پاس نہ رہے۔ اس کا اصلی شوہر اگر اسے نہ رکھنا چاہے یا اس کے حقوق زوجیت کو پورا نہ کرتا ہو تو اس صورت میں اس سے طلاق لے لینی چاہیے اور شوہر پر بھی لازم ہے کہ اسے رکھے تو اس کے حقوق کو پورا کرے ورنہ چھوڑ دے، یوں ہی لٹکائے رکھنا سخت گناہ کا باعث ہے۔ دوسری صورت میں عقد ثانی کا پڑھانے والا اگر اصل حال سے واقف تھا تو اس کو توبہ کرنی چاہیے۔ عالم گیری میں ہے:

"رجل اکره بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فكتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته كذا فی فتاوی قاضی خان."(۱)

نیز اسی میں ہے:

"لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره وكذالك المعتدة" (۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

غلام جیلانی اعظمی عفی عنہ

مدرس دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، ۲۷ محرم الحرام ۱۳۷۰ھ

جھوٹے اور قرض نہ ادا کرنے والے شخص کی امامت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ہے، جس نے آج تک جھوٹ بولا اور جھوٹی شہادتیں عدالت میں دیں اور غیبت وچغلی بھی بہت سی کی اور اس شخص کے پاس بہت سے آدمیوں کا قرضہ بھی ہے اور سو روپے مسجد کے بھی اس کے پاس قرضہ کے ہیں اور دوسری مسجد کے آدمی اس شخص کو امام بنانا

(۱) عالمگیری، ج:اول، ص:۳۷۹، مطبوعہ بیروت، لبنان

(۲) عالمگیری، ج:اول، ص:۲۸۰، مطبوعہ بیروت، لبنان

چاہتے ہیں۔ مگر یہ شخص اور کاموں سے توبہ کرتا ہے لیکن دیگر آدمیوں کا قرضہ دینے کا اقرار اور نہ مسجد کے روپے دینے کا وعدہ کرتا ہے اور نہ قرض خواہ اس کو معاف کرتے ہیں تو ایسی صورت میں اس شخص کے پیچھے نماز درست ہو سکتی ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

اگر وہ قرضہ ادا کرنے پر قادر ہے، مگر باوجود اس کے بلا عذر شرعی ادا نہیں کرتا تو اس کا یہ فعل سخت گناہ کا باعث ہے جو سبب فسق ہے۔ یوں ہی اگر مسجد کا روپیہ اس کے پاس تھا اور صرف کر ڈالا ہے اور نہیں دیتا تو یہ صورت بھی اس کے خائن اور فاسق ہونے کے لیے کافی ہے۔ اور جب اس کی اس حرکت کا ظہور ہوا، پھر بھی وہ بے باک بنا ہوا ہے اور باز نہیں آتا تو اس کے فاسق معلن ہونے میں کیا شبہہ۔ ایسی صورت میں اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ اس کو امام نہ بنایا جائے۔ شامی میں ہے:

"وأما الفاسق فقد علّلوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه و بأن في تقديمه للإمامة تعظيمه و قد وجب عليهم اهانته شرعاً."(۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

یا شیخ عبد القادر وظیفہ کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص مسلمان اپنی زبان سے "یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ" کرے تو از روئے اسلام صحیح ہے یا نہیں کیوں کہ للہ کے اندر لام کا معنی "لیے" کے آتا ہے۔ گویا ترجمہ اس کا یہ ہوا کہ "یا شیخ عبد القادر جیلانی کچھ دیجیے اللہ کے لیے۔" معلوم ہوا کہ اللہ کو سفارشی قرار دے کر مخلوق سے کچھ مانگا جا رہا ہے۔ اور یہ صحیح نہیں ہے کہ خالق کی سفارش مخلوق کے سامنے پیش کی جائے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد عظیم اللہ، موضع بارا، ضلع غازی پور

الجواب

اگر کوئی شخص "یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ" پڑھے تو شرعاً یہ وظیفہ درست ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے شیخ عبد القادر جیلانی محض اللہ کی رضا اور خوش نودی کے لیے کچھ عنایت فرمایئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں قضائے حاجت کے لیے ایک ختم کی ترکیب یوں نقل فرماتے ہیں:

"اول دو رکعت نفل بعد ازاں یک صد یازدہ بار درود و بعد ازاں یک صد یازدہ بار کلمۂ تمجید و یک صد یازدہ بار شیئاً للہ عبد القادر جیلانی (بخواند)۔"

سائل کا للہ کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کے سفارشی ہونے کا مطلب نکالنا غلط ہے۔ (لام) اختصاص کے لیے آتا ہے۔ یہاں للہ کا مطلب مختصاً لرضاء اللہ ہے۔ اس معنی کی تائید مشکوۃ شریف کی ایک مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

"من احب للہ و ابغض للہ و اعطی للہ و منع للہ فقد استكمل الايمان."(۲)

(ترجمہ): جس نے صرف اللہ کے لیے محبت کی کسی سے اور اللہ کے لیے دشمنی کی اور کسی کو صرف اللہ کے لیے کچھ دیا اور کسی سے اللہ کے لیے روکا تو اس نے اپنے ایمان کو کامل بنالیا۔

دیکھیے اس بات کی تصریح ہے کہ صرف اللہ کے لیے کسی کو کچھ دینا تکمیل ایمان کا ذریعہ ہے۔ اس کی صورت یہی ہے کہ یہ داد و دہش صرف مالک حقیقی کی رضا اور خوش نودی کے لیے ہو۔ کیا مستفتی اس حدیث پاک میں اپنے طریقۂ استدلال سے یہ بات ثابت کرے گا کہ اس میں خالق کو مخلوق کا سفارشی قرار دیا گیا ہے۔ اور جب یہاں یہ معنی نہیں تو وظیفہ مذکور فی السوال میں بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جذام کے سبب عورت فسخ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

(۱) زید نے اپنی لڑکی کی شادی کم سنی میں کر دی، مگر شادی کے بعد معلوم ہوا کہ بکر کو جذام کا عارضہ ہے۔ لڑکی جس وقت بالغ ہوئی اس نے اس وقت اعلانیہ نکاح فسخ کر دیا وہ نکاح فسخ ہوا یا نہیں؟

(۲) زید نے اپنی لڑکی کی شادی کم سنی میں بکر کے ساتھ کر دی، مگر لڑکی جس وقت بالغ ہوئی اس وقت اعلانیہ اس لڑکی نے نکاح فسخ کر دیا۔ نکاح فسخ ہوا یا نہیں۔ سائل: رسول بخش

(۱) رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۲۹۹، مطبوعه بيروت لبنان

(۲) مشكوة المصابيح، كتاب الايمان، ص: ۱۴، مطبع فاروقيه بك ڈپو، دهلی

الجواب

شوہر کے صرف جذامی ہونے کی صورت میں منکوحہ کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ لہذا یہ نکاح فسخ نہیں ہوا۔ ہدایہ میں ہے:

"وان كان بالزوج جنون او برص او جذام فلا خيار لها."(۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مذکورہ بالا حکم تو فسخ کے بارے میں ہے مگر جب کہ زید کے جذامی ہونے کی صورت میں اس کی زوجہ کو اس سے نفرت ہے اور وہ اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو زید کو چاہیے کہ اپنی عورت کو طلاق دے دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دو طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمد سعید نے غصہ میں اپنی بیوی سے پانی مانگا۔ پانی لانے میں تاخیر ہوئی اس پر وہ اور برہم ہو گیا اور پھر اپنی بیوی سے کہا، میں نے تم کو طلاق دیا، میں نے تم کو طلاق دیا تو اب یہ طلاق پڑی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

مسئلہ آمدہ از رنگس مین بازار، پوسٹ رنگس ضلع ہوگلی، بنگال۔ مسئول: رحم علی میاں معرفت یونس ٹیلر

الجواب

اگر واقعی دو ہی بار طلاق دی ہے تو اس سے دو طلاقیں رجعی پڑیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عدت ختم نہیں ہوئی ہے تو رجعت یعنی پھر بدستور اپنی بیوی بنا سکتا ہے اور اس رجعت کے بعد ایک بار بھی طلاق دی تو طلاق مغلظہ پڑ جائے گی اور عورت حرام ہو جائے گی۔ اور اگر عدت ختم ہو گئی ہے تو اب رجعت نہیں کر سکتا، البتہ اگر عورت راضی ہو تو نکاح کر سکتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ م بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ م بِاِحْسَانٍ."(۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

عدت کے اندر نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں۔ صادقہ خاتون کے شوہر نے بروز بدھ ۱۸/جنوری ۱۹۵۰ء کو انتقال کیا۔ تقریباً دو ہفتے کے بعد صادقہ کا ناجائز تعلق ایک غیر مرد سے ہو گیا۔ بھائی لوگوں کو معلوم ہوا۔ اس پر صادقہ سے ۲۱/اپریل ۱۹۵۰ء کو اس غیر مرد نے نکاح کر لیا۔ آیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں۔ اگر جائز نہ ہوا تو جو لوگ شریکِ نکاح ہوئے جنھوں نے سب باتوں کو جانتے بوجھتے نکاح پڑھایا ان کے لیے کیا حکم ہے؟ نیاز مند، رحم علی

الجواب

چوں کہ شوہر کے انتقال کی صورت میں چار مہینہ دس دن عدت ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجاً يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْراً."(۳)

لہذا صادقہ کا نکاح عدت کے اندر ہوا اور عدت کے اندر نکاح حرام و ناجائز ہے، لہذا یہ نکاح حرام و ناجائز ہوا۔ جن لوگوں نے جانتے ہوئے شرکت کی یا نکاح پڑھایا یا گواہی دی، وکالت کی سب مرتکب کبیرہ ہوئے اور سخت گنہ گار ہوئے۔ ان سب پر توبہ فرض ہے اور تجدید نکاح بھی صادقہ اور وہ غیر مرد جس سے اس کا نکاح کیا گیا، یہ دونوں سخت گنہ گار ہیں جلد سے جلد فوراً ان کو علاحدہ ہونا لازم ہے اور دونوں پر اپنے اس کبیرہ گناہ سے توبہ فرض ہے۔ عدت گزرنے کے بعد صادقہ کا نکاح ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رضاعی بہن کی بیٹی سے نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلۂ ہذا میں کہ ہندہ کی دو لڑکیاں شاکرہ و ساجدہ۔ شاکرہ کا لڑکا بکر اور ساجدہ کی لڑکی زاہدہ۔ بکر نے ہندہ کا دودھ پیا تو اب بکر کی شادی زاہدہ سے ہو سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

سائل: سید محمد قاسم جیلانی، سریا پہاڑی، اعظم گڑھ

الجواب

بکر نے اگر مدت رضاعت کے کسی حصہ میں اپنی نانی ہندہ کا دودھ پیا ہو تو اس کی شادی زاہدہ سے (جو ہندہ کی نواسی ہے) نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ یہ اس کی رضاعی بہن کی نسبی بیٹی ہے۔ عالم گیری میں ہے:

"قليل الرضاع وكثيره اذا حصل في مدة الرضاع

(۱) هدايه كتاب الطلاق، باب العنين، ج: ۲، ص: ۴۰۲، مطبوعه مجلس بركات جامعه اشرفيه، مبارك پور

(۲) سورة البقرة، آيت: ۲۲۹

(۳) سورة البقرة، آيت: ۲۳۴

تعلق بہ التحریم(الی قولہ) ووقت الرضاع فی قول ابی حنیفة مقدر بثلثین شهرا۔"(۱)

نیز اسی میں ہے:"یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولهما و فروعهما من النسب والرضاع۔" (۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

غلام جیلانی اعظمی غفرلہ، مدرس دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور

وراثت کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ جہاں نے انتقال کیا چھوڑا دو لڑکی نصیبہ اور عظیمہ، بعدہ عظیمہ نے انتقال کیا، چھوڑا ایک لڑکا رحمت علی اور بہن نصیبہ۔ پھر نصیبہ نے انتقال کیا چھوڑا دو لڑکے عظمت علی اور رحمت علی اور ایک لڑکی سکینہ۔ نصیبہ نے اپنی حالت حیات میں جائداد سے ایک گنڈہ ہبہ کر دیا تھا۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: مختار احمد خان، اوسط پور، ضلع اعظم گڑھ، ۲۱ رصفر ۳۰ھ

الجواب

شیخ جہاں میت — مسئلہ ۲ × ۵ = ۱۰

لڑکی نصیبہ	لڑکی عظیمہ
۱	۱

عظیمہ میت — مسئلہ ۱ — مف ۱

لڑکا رحمت علی	بہن نصیبہ
$\frac{1}{5}$	م

تباین

نصیبہ میت — مسئلہ ۵ — مف ۱

لڑکا-عظمت علی	لڑکا-رحمت علی	لڑکی-سکینہ
۲	۲	۱

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث مورث اعلیٰ شیخ جہاں مرحوم کی کل جائداد دس سہام پر تقسیم ہو کر ان کے نواسے رحمت علی کو پانچ سہام اور عظمت علی کو دو سہام، رحمت علی کو دو سہام اور سکینہ کو ایک سہام ملے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عالمگیری، جلد اول، کتاب الرضاع، ص: ۳۴۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان

(۲) ایضاً، ص: ۳۴۳

نوٹ: شیخ جہاں مرحوم کی جائداد کا نصف حصہ نصیبہ کے ورثہ کو ملے گا اور جب کہ نصیبہ نے کچھ حصہ ہبہ کر دیا ہے تو اس کو منہا کر کے باقی پانچ حصوں پر تقسیم ہو کر دو حصہ عظمت علی دو حصہ رحمت علی اور ایک حصہ سکینہ کو ملے گا۔

کـــتـــبـــہ

سخاوت علی خاں متعلم دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

اقرار نامہ کے ذریعہ طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس کا شوہر اقرار کر چکا ہو بلکہ اقرار نامہ لکھ دیا ہے کہ اپنی عورت کے ساتھ کوئی بیجا حرکت کرے تو پنچوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں پھر اس نے اپنی عورت کے ساتھ بہت بڑی بیجا حرکت کی کہ اس کا ناک ہاتھ چاقو سے کاٹ دیا اور سرکار کی طرف سے اس کو پانچ سو روپیہ جرمانہ اور دو سال کی سخت سزا ہوئی۔ ایسی حالت میں کیا عورت اپنا ثانی نکاح کر سکتی ہے؟ جو احکام شرعی ہو اس کو فرمائیں۔

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ مسماۃ بدرالنسا کا شوہر جس کے متعلق سوال ہے، بہت ہی بدمزاج اور ظالم ہے اس کے ساتھ نباہ ناممکن ہے۔ اس کے ظلم سے تنگ آ کر یہ اقرار نامہ لکھایا تھا، جس سے مقصد یہ تھا کہ اگر اس کے بعد شوہر اپنا رویہ تبدیل نہ کرے اور ظلم و ستم کرے تو بدرالنسا کو طلاق ہو جائے۔ لیکن کاتب نے اپنی جہالت یا خیانت سے اقرار نامہ میں یہ نہیں لکھا کہ اگر میں آئندہ ایسی حرکت کروں تو میری زوجہ بدرالنسا کو طلاق ہے، یا پنچان کو حق ہوگا کہ وہ میری وکالت میں بدرالنسا کو طلاق دے دیں اور بدرالنسا کو حق تفویض ہے کہ وہ اپنے کو طلاق دے لے۔ بلکہ یہ لکھا کہ زوجہ اور پنچان کو اختیار حاصل ہوگا کہ ہم مقر اور ہم مقر کے گھر والوں کے ساتھ مناسب کارروائی عمل میں لاویں۔ اگرچہ یہ الفاظ بہت ملکے ہیں لیکن جب کہ شوہر کا ظلم یہاں تک پہنچا کہ ناک اور ہاتھ تک کاٹ دیا تو ایسی صورت میں مناسب کارروائی طلاق ہی میں منحصر ہے۔ لہذا مقصد اقرار نامہ کے مطابق پنچان شوہر کی توکیل میں بدرالنسا کو طلاق دیدیں اور بدرالنسا حق تفویض میں اپنے کو طلاق دے لے اور عدت گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کر لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

استمداد
مسائل و مباحث

استمداد و استعانت پر ایک تحقیقی بحث

مفتی محمد نظام الدین رضوی

قرآن عظیم میں ذکر آیا ہے کہ کچھ لوگ حضرت عیسیٰ ، حضرت عزیر اور ملائکہ علیهم الصلاۃ والسلام کی پوجا کرتے تھے۔ اپنے اس جرم عظیم کی وجہ سے قرآن نے انہیں مشرک کہا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ مشرکین جن کی پوجا کرتے تھے ، اگر ان سے استمداد کریں ، ان سے بیماری میں شفا دینے کی درخواست کریں یا انہیں دافعِ بلا اور مشکل کشا سمجھیں تو کفر ہوگا، کیوں کہ یہ انہیں قادر مطلق اور متصرف حقیقی سمجھتے تھے۔ اس کے بر خلاف اگر مسلمان انبیاے کرام اور اولیاے عظام سے استغاثہ کرتے ہیں ، انہیں دافع بلا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں تو یہ جائز ہے، جیسا کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔ مگر افسوس دیو بندی اور وہابی مکاتب فکر آیات و احکام میں خلط ملط کرتے ہیں اور جو آیات مشرکین کے لیے نازل ہوئی ہیں ان کا مصداق مسلمانوں کو بناتے ہیں اور اولیا و انبیا سے استمداد و استعانت کو شرک و ناجائز کہتے ہیں۔ یہ ان کی دینی گم راہی اور فکری ارتداد ہے۔ محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب نے اسی پس منظر میں کیے گئے ایک سوال کا تحقیقی جواب سپرد قلم کیا ہے جسے اس بار ہم مسائل و مباحث کے کالم میں شامل کر رہے ہیں۔

از: مبارک حسین مصباحی

سورہ بنی اسرائیل 57 میں ہے کہ اللہ کے "وہ مقبول بندے جنھیں یہ کافر پوجتے ہیں" الخ۔ سوال یہ ہے کہ اللہ کے ان مقبول بندوں کی پوجا کرتے وقت وہ کافر کیا کرتے تھے اور کیا کہتے تھے؟ جب کہ یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی شخص چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلمان، جب کسی کی پوجا کرتا ہے تو چند کام اس کی پوجا میں ضرور شامل رہتے ہیں: (1) جس کی پوجا کی جائے اس کے سامنے سر کو جھکانا چاہیے، دست بستہ ہو کر یا رکوع کی حالت میں جا کر، یا سجدہ کی حالت میں جا کر کسی بھی حالت میں سر کو جھکانا پڑتا ہے۔ (2) اس کی تعریف میں اس قسم کے جملے کہنا پڑتے ہیں جیسے اللہ اکبر یا آپ بڑے مہربان ہیں، کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے، یا مہراج کی جے وغیرہ۔ (3) پوجا کرنے والا جس کی پوجا کرتا ہے اس سے مدد کی درخواست کرتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ اللہ کے ان مقبول بندوں کی پوجا کرتے وقت وہ کافر یہ سارے کام کرتے تھے یا نہیں؟

بے ضرورت سوال سے پرہیز کرنا چاہیے، مشرکین غیر اللہ کی پوجا کس طرح کرتے تھے، کیا کہتے تھے، اس سے کیا غرض اور اس کا علم نہ ہو تو ایک مسلمان کی اسلامی زندگی پر کیا فرق پڑے گا۔ اس سلسلے میں اتنا علم کافی ہے کہ مشرکین غیر اللہ کو اپنا الہ و معبود مانتے تھے، اس کی عبادت و پوجا کرتے تھے، جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 56-57 میں ہے:

"قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

صدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ۝"

اے محبوب! آپ فرما دیجیے کہ تم انھیں پکارو جنھیں اللہ کے سوا معبود گمان کرتے ہو تو وہ اختیار نہیں رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے کا، اور نہ اسے دوسرے کی طرف پھیر دینے کا۔ وہ مقبول بندے جنھیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے۔ (بنی اسرائیل:17)

تفسیر روح المعانی میں ہے:

"و اخرج عبد الرزاق و ابن ابی شیبۃ و البخاری و النسائی و الطبرانی و جماعۃ عن ابن مسعود قال: کان نفر من الانس یعبدون نفراً من الجن فاسلم النفر من الجن و تمسک الانسیون بعبادتھم فنزلت ھذہ الآیۃ. و کان ھٰؤلاءِ الانس من العرب کما صرّح بہ فی روایۃ البیھقی و غیرہ عنہ. وفی روایۃ ابن جریر، أنہ قال: کان قبائل من العرب یعبدون صنفاً من الملٰئکۃ یقال لھم الجن و یقولون : ھم بنات اللّٰہ سبحانہ فنزلت الأیۃ. وعن ابن عباس أنھا نزلت فی الذین اشرکو باللّٰہ تعالیٰ فعــوا عیسیٰ و امہ و عزیراً. اھ ملخصاً." (ج:15،ص 97-95)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں وہ غیر اللہ مثلاً حضرت عیسیٰ وحضرت عزیر وملائکہ علیہم الصلاۃ والسلام کی پوجا کرتے تھے، اس لیے وہ مشرک ہوئے۔

اب اگر مشرک غیر اللہ مثلاً حضرت عیسیٰ وحضرت عزیر علیہما الصلاۃ والسلام کو مددگار کہے، یا ان سے "کشف ضر" یعنی تکلیف دور کرنے، بیماری سے شفا دینے کی درخواست کرے تو یہ کفر ہوگا کہ یہ ان کو قادر مطلق اور متصرف حقیقی سمجھتا ہے۔ لیکن اگر مسلمان انھیں مددگار سمجھے یا ان سے استغاثہ کرے تو جائز ہوگا کہ یہ انھیں اللہ کے اذن وعطا سے مددگار اور دافع بلا سمجھتا ہے۔ وہابیہ نے اپنی کم عقلی سے اس فرق کو نہ سمجھا۔ انھوں نے قرآن پاک کی اس طرح کی کچھ آیات کو پڑھ کر یہ سمجھ لیا کہ مشرکین حضرت عیسیٰ وحضرت عزیر علیہما الصلوٰۃ والسلام کو دافع بلا و کاشف ضر سمجھتے تھے اس لیے مشرک تھے۔ ممکن ہے ان کے سامنے تفسیر روح المعانی وغیرہ کی یہ عبارت بھی ہو:

"(اولٰئک الذین یدعون) ای اولٰئک الألھۃ الذین یدعونھم ویسمعونھم الٰھۃ. او یدعونھم وینادونھم لکشف الضر عنھم. اھ"

(روح المعانی، ج:15، ص:98)

لہذا جو کسی بھی نبی، ولی کو دافع بلا، کاشف ضر و مددگار سمجھے وہ مشرک ہے۔ حالاں کہ قرآن پاک کی بہت سی آیات اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ کثیرہ سے غیر اللہ کا دافع بلا، کاشف ضر اور مددگار ہونا ثابت ہے۔ مثلاً خود حضرت عیسیٰ علیہ وعلیٰ نبینا الصلاۃ والسلام کے تعلق سے قرآن مقدس میں ہے:

"وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ج"

اور جب تو مٹی سے پرندے کی شکل میرے اذن سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے اذن سے پرند ہو جاتی اور تو مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے اذن سے اچھا کرتا اور جب تو قبروں سے مردے نکالتا میرے اذن سے۔ (آیت 110 سورہ المائدہ 5)

مادرزاد اندھے کو روشن آنکھیں عطا کرنا اور سفید داغ والے کو شفا دینا یقیناً کشف ضر و دفع بلا ہے۔

حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں:

"اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ (الی قولہ) وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۝"

میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے پرند ہو جاتی ہے اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردے اللہ کے اذن سے اور میں تمھیں خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے اور گھروں میں جمع رکھتے ہو تاکہ میں حلال کر دوں تمہارے لیے بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں۔ (آیت 49-50 سورہ آل عمران 3)

ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی یہ بات نقل کی گئی ہے کہ وہ مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفا دیتے ہیں۔

اب وہابی بتائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے باذن اللہ تعالیٰ کشف ضر کا عقیدہ رکھتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں رکھتے تو یہ ان آیات کریمہ کا کھلا ہوا انکار ہے لہذا وہ خود ہی کافر ہو گئے جیسا کہ وہ اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے پہلے ہی سے کافر ہیں۔ اور اگر کہیں کہ "کشف ضر" کا عقیدہ رکھتے ہیں تو سورہ بنی اسرائیل کی آیت 57 سے معارضہ کیوں کرتے ہیں، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہابیہ نبی کے لیے کشف ضر کا عقیدہ شرک سمجھتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ وہابیہ قرآن حکیم کی ان تمام آیات پر ایمان ہی نہیں رکھتے، جن میں غیر اللہ کے لیے دفع بلا اور کشف ضر کا اثبات پایا جاتا ہے اور جو آیات مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان کا مطلب بڑی چال بازی کے ساتھ سنی دار الافتا سے کسی سنی کے ذریعہ سمجھتے ہیں تاکہ خود سنی عالم کے فتوے کے ذریعہ سنی عوام کو گم راہ کر سکیں اسی لیے عوام کو حکم ہے کہ وہابیوں سے دور رہیں، ان کو اپنے سے دور رکھیں، نیز قرآن حکیم میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ہے:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۝"

اللہ ان کافروں پر عذاب نہ فرمائے گا جب تک اے محبوب آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کافروں سے دفع بلا کا سبب ہیں تو مومنین کے لیے بہ درجۂ اولیٰ ہوئے۔ قرآن حکیم میں ہے:

"اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝"

یعنی اے مسلمانو تمہارا مددگار نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز قائم رکھنے اور زکوۃ دینے اور رکوع قائم کرنے والے ہیں۔

نیز ارشاد باری ہے:

"وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط"

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

اس مسئلے کی تحقیق اور تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا رسالہ مبارکہ "الامن و العلیٰ" مطالعہ کریں جس میں کثیر آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ سے اس عقیدے کا اثبات کیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے وہابیوں کے مکر وفریب سے انشاء اللہ تعالیٰ حفاظت رہے گی۔

فائدہ: وہابیہ توسل کو شرک کہتے ہیں جب کہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت 57 سے کھلے طور پر توسل کا ثبوت فراہم ہوتا ہے جس آیت کو اپنی نادانی سے وہ اہل سنت و جماعت کے عقیدے کے خلاف تصور کرتے ہیں وہ خود انھیں کے باطل عقیدے کی عمارت کو مسمار کرتی ہے اور روز روشن کی طرح واضح کرتی ہے کہ حق وہی ہے جو اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے، یعنی اللہ عز وجل کی بارگاہ میں مقربین کا وسیلہ ڈھونڈنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ اس طرح کی کثیر آیات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاے کرام ورسل عظام علیہم الصلاۃ والسلام مددگار، کاشف ضر اور دافع بلا ہیں اور مومنین بھی ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ حضور کے صدقے میں اولیا اللہ بھی بلائیں دور کرتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا سے ہوتا ہے۔ تاثیر خداے برتر وتوانا کے اذن سے ہوتی ہے۔ اگر وہابی ان آیات واحادیث پر ایمان رکھتے اور ایمانی نگاہ سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور احادیث شریفہ کو پڑھتے تو ان پر عیاں ہو جاتا کہ مومنوں کا انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو کاشف ضر ماننا اور ہے اور مشرکوں کا کاشف ضر ماننا اور ہے۔ مسلمان انھیں باذن اللہ کاشف ضر مانتے ہیں جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور شرک دوبارہ انھیں اس لیے کاشف ضر مانتے ہیں کہ ان کو اپنا معبود سمجھتے ہیں اور فاعل مختار جانتے ہیں۔ ایمان دونوں طرح کی آیتوں پر رکھنا فرض ہے، جیسا کہ یہی اہل سنت و جماعت کا شعار ہے اور بعض کو بہ اتباع نفس ماننا اور بعض کو پس پشت ڈال دینا کفر ہے۔ جیسا کہ یہ وہابیوں کا شعار ہے۔

سنیوں پر واجب ہے کہ وہابیوں سے دور رہیں، ان کو اپنے سے دور رکھیں اور ہرگز ہرگز ان کے فریب کے جال میں نہ پھنسیں۔ حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ایاکم و ایاھم فلا یضلونکم ولا یفتنونکم."

واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

فکر امروز

مدارسِ اسلامیہ کے کارنامے اور جدید دعوتی تقاضے

مولانا اسحاق رضوی مصباحی

الحمد للّٰہ الذی دعا الناس الی الھدی فارسل الیھم رسولہ الذین اصطفیٰ و ختم بمن کشف الدجیٰ و بلغ العلیٰ و صلی اللہ علی حبیبہ المرتضیٰ و اصحابہ الذین عنھم ارتضی، اما بعد!

اس عالمِ فانی میں سب سے بڑا کام خیر کی طرف دعوت اور برائیوں سے روکنا ہے، جب کہ یہ دونوں کام خلوصِ نیت اور صفائے باطن کے ساتھ ہوں۔ انسانوں کو بھلائی کی طرف بلانا اور وہ بھی اللہ کی رضا کے لیے جس میں کوئی اپنی ذاتی خواہش اور فائدہ شامل نہ ہو نفس امارہ پر اس سے زیادہ شاق کوئی دوسرا عمل نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اس راہ میں کانٹوں پر چلنا پڑتا ہے، آرام وراحت کو تج دینا ہوتا ہے، لذتوں اور آسائشوں کو ٹھوکر مارنا ہوتا ہے۔ اس راہ میں عظیم صبر پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط تاروں سے بلند ارادوں اور کائنات کو اپنا لینے والی حکمت کی ضرورت ہے۔ اسی لیے اس منصب جلیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے جن نفوسِ قدسیہ کا انتخاب فرمایا اس جماعت کے برابر کوئی امتی ہو ہی نہیں سکتا، اس بار گراں کو اٹھانے کے لیے دنیا میں خاص ہی افراد ہوتے ہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کے صحابۂ کرام نے آپ سے حاصل کیے گئے اخلاص اور حکمت سے اس ذمہ داری کو مکمل انجام دیا، ان کے بعد تابعین، علمائے مخلصین اور اولیائے کرام اس ذمہ داری کو نبھاتے آئے ہیں اور ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے اس امت میں ایسے مخلص بندے پیدا فرمائے ہیں جو امت کی کشتی کے پتوار کو سنبھالتے ہیں اور حوادث کے سمندر میں ہجوم امواج سے ناخدا بنتے رہتے ہیں۔

کتاب وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنے ہر دور میں مسلمانوں کے ساتھ رہیں گے اور ہر آنے والا فتنہ پہلے سے بڑا ہوگا۔ ان فتنوں کے سامنے مسلمان غالب بھی آجائیں گے اور بعض مورچوں پر بہ ظاہر پسپا بھی ہوں گے مگر ان کو ہر حال میں حق پر قائم رہنا ہے۔ فتنوں کا مقابلہ کرنا اور فتنوں سے لوگوں کو نکالنے کی کوشش دعوت وتبلیغ کا اہم جز ہے۔ یہ فتنے عقائد پر ضرب لگانے کے لیے بھی ہوں گے اور اس امت کے تشخص کو مٹانے کے لیے بھی۔ اس لیے جس طرح دعوت وتبلیغ کے لیے اخلاص اور طلب رضا کے جذبے کی ضرورت ہے اسی طرح عقائد کا مفصل علم، کتاب وسنت اور فقہ کی تعلیم ومہارت کی بھی ضرورت ہے۔ کیوں کہ کسی شے کو کتاب اللہ اور سنت مبارکہ نے کیا درجہ دیا ہے یہ جاننا سب سے پہلے ضروری ہے۔ کون سا کام حرام ہے، کیا وہ مکروہ تحریمی ہے، کیا مستحب ہے، کیا فرض ہے، کیا واجب ہے، نت نئے مسائل کا جواب تلاش کرنے اور شریعت کی روح کو سمجھنے کی صلاحیت تامہ لازم ہے اور یہ سب کچھ تفسیر، حدیث شریف کی تعلیم اور ان کی تعلیم کے لیے ضروری علوم جیسے علوم عربیہ کے حصول کے بعد ہی ممکن ہے۔ مبلغ کے لیے شریعت کا علم اور بزرگوں کے اخلاص کی تعلیم فرض اہم ہے۔ اگر یہ علم درست اور مکمل حاصل ہے تو کسی بھی زبان میں آپ کی تعلیم پہنچ جائے گی، بات حقیقت میں ہونا ضروری ہے۔

آج مثنوی مولانائے روم، کیمیائے سعادت، کشف المحجوب جیسی کتابوں کے ترجمے غیر مسلموں کے لیے بھی بیش تر زبانوں میں موجود ہیں تو ان کے مصنفین کے اخلاص اور علم تام کی بات ہے۔

آج مدارس میں طرح طرح کے علوم داخل کر کے اصل علم سے لاپروائی برتی جاتی ہے، یہ طریقۂ کار مقصد سے ہٹ جانے کے مترادف ہے۔

لال نگلہ، پوسٹ کیمری، رام پور (یو. پی.)

تو دعوت وتبلیغ کے لیے مدارس اسلامیہ گہوارۂ مادر کی حیثیت رکھتے ہیں اور بزرگوں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ صفائے نفس کی تعلیم بھی جاری رکھی ہے۔ علم اخلاق واخلاص اور علوم شریعت کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ دعوت اور تبلیغ کے اصل مرکز مدارس ہی ہیں۔ مدارس سے مراد موجودہ دور کا تصور نہیں ہے کہ جہاں لائبریریاں ہوں، تنخواہوں پر اساتذہ مقرر ہوں، رسید اور چندہ ہو، مہتمم اور ناظم ہوں۔ مدارس سے مراد ہے حصول علم کی جگہ۔ وہ بزرگ جنھوں نے اپنے شاگردوں کو اپنے ساتھ رکھ کر تعلیم دی اور تمام بڑے اولیائے کرام اور علمائے ذوی الاحترام نے اسی طریقے سے علم حاصل کیا ہے، مبلغ حضرات عموماً پیشہ وارانہ مدارس سے بچتے رہے ہیں۔ آج کے دور میں سب سے زیادہ کمی اسی خصوصی سلسلۂ تعلیم کی ہے، تمام تر پیشہ وارانہ مدارس ہیں جن میں طلبہ کا مقصد ڈگری حاصل کرنا اور اساتذہ کا مقصد تنخواہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اگر چہ تمام طلبہ اور اساتذہ کو اس نیت سے موصوف نہیں کرسکتے۔ کچھ نہ کچھ لوگ اس امر میں مخلص ضرور ہیں مگر ہیں تو بہر حال بہت ہی کم۔

امت کے گزرے ہوئے وقت سے اب تک دعوت وتبلیغ کا زریں سلسلہ تعلیم وتربیت بزرگوں کی انفرادی کوشش سے زیادہ بار آور صلی اللہ علیہ وسلم رہا ہے۔ مدارس اسلامیہ کے قیام سے اصل مقصد دین کی حفاظت وتبلیغ، قوم مسلم کی قیادت اور اقوام عالم کو دعوت حق بھیجنا ہے تو مدارس میں وہ تمام چیزیں ہونی چاہئیں جو اس مقصد کو حاصل کرائیں۔ موجودہ دور میں مدارس کو جدید درس گاہوں کے اصول پر لایا جارہا ہے۔ خصوصاً ہندستان میں یہاں دوسرے علم داخل کیے جارہے ہیں۔ انگلش زبان خصوصیت سے پڑھائی جانے لگی ہے۔ یہ چیزیں بھی اچھی ہیں مگر یہ سب وسائل اور آلات ہیں۔ اگر ہم ان وسائل میں الجھ کر رہ گئے اور مقصد تک نہ آسکے تو تعلیم کا اصل فائدہ ہی کیا ہوا؟ اصل مقصد ہے کتاب وسنت کا علم اور اس کے قریبی وسائل کا علم یعنی علوم عربیہ اور پھر سماجی علوم میں دانش وری پھر دعوت وتبلیغ کی زبان، مدارس میں جو نصاب فی الوقت نافذ کیا گیا ہے اور جو انداز تعلیم اختیار کیا گیا ہے، ہم اس کو فائدہ مند نہیں پارہے ہیں۔ ان مدارس سے فارغین بنیادی عقائد تک سے واقف نہیں، تحریر وتقریر میں خلاف اسلام کام کرتے نظر آرہے ہیں۔ آپ کو شاید یہ بات عجیب سی لگے مگر میرے پاس صدہا مثالیں ہیں جن کو آج کل کے فارغین کی تحریروں سے جمع کیا گیا ہے اور ان میں دین کے خلاف اچھا خاصا مواد موجودہ، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان لوگوں کی تعلیم تو ہوتی ہے مگر یہ لوگ آلات ووسائل میں ہی لگے رہے اور کتاب وسنت، عقائد وفقہ اور سماجی علوم سے کما حقہ واقف نہ ہوسکے۔ حالاں کہ گزشتہ صدیوں میں بغداد کی خلافت ہو یا ہندستان کی اسلامی حکومت ہو، اندلس کا جزیرۂ سر سبز ہو یا افریقہ کے صحراؤں کی حکومت ہو، بیت الحکمت کا قیام ہو یا فلسفہ وحکمت کا ترجمہ اور ترقی ہو، باطل فرقوں کا جواب ہو یا مسائل نایاب کی دریافت ہو، سائنس ہو یا طب ہو، دعوت وتبلیغ کا میدان ہو یا تعلیم تربیت کی گزرگاہ ہو، ہر جگہ انھیں مدارس اسلامیہ کے آثار ہویدا ہیں اوران کے در وبام کا نور جھلکتا، چھنتا، دمکتا نظر آرہا ہے۔ دعوت وتبلیغ کے تمام تر کارنامے حقیقت میں انھیں مدارس سے اٹھنے والے قافلہ کی رہ گزر رہے ہیں اور دین کی نشر واشاعت کرنے اور مخالفین کو خاموش کرنے کا کام مدارس کے ہی فارغین نے انجام دیا ہے۔ لہٰذا دعوت وتبلیغ کے میدان میں آگے بڑھنے کے لیے ہم کو مدارس اور درس گاہوں میں انقلاب لانا ہوگا اور سب سے پہلے وہاں پر دین کی حقیقی تصویر بنانی ہوگی اور ان میں پڑھنے والے ہر ایک فرد کو سراپا سنتوں کا مظہر بنانا ہوگا اور اس کے لیے ہم کو ان تمام کتابوں کو مدارس میں زیر تعلیم لانا ضروری ہے جن میں علم کے ساتھ ساتھ فیض بھی ہے، اور ان بزرگوں کی تصانیف کو جن پر امت نے مکمل اعتماد کیا ہے۔

دعوت کا تقاضا ہے کہ ہمارے مفسر کے پاس تفسیر کا مکمل ادراک ہو کہ جدید ذہن کو مطمئن کرسکے، سنیت کا ایسا علم ہو کہ انسانیت کے بنائے ہوئے گم راہ کن قواعد پر ہر سنت کی برتری ثابت کرسکے، فقہ میں ایسی بصیرت ہو کہ نت نئے مسائل اور

حوادث کو آسانی سے سمجھا جا سکے، انسانی علوم پر ایسی گرفت ہو کہ جب بھی دنیا کسی مسئلہ اور بحران میں مبتلا ہو اور نجات کی راہ تلاش کر رہی ہو فوراً ہمارا مبلغ اس کے سامنے اسلام کا روشن راستہ لا سکے۔

موجودہ دور میں سائنس کے چیلنج ہیں، قانون و حکمت اور عدلیہ چیلنج ہیں، دوسری تہذیبوں اور ادیان کی طرف سے دعوے ہیں، سماجیات کے مسائل ہیں، دنیا میں علم اور دلائل کا انبار ہے۔

آج ہر کام جو شریعت نے حرام قرار دیا ہے اس کی بہتری پر بے حد وسیع لٹریچر تیار کیا جا رہا ہے اور ان چیزوں سے تجارت و حرفت جڑ چکی ہے۔ حرام کاموں کو انسانی ضرورت میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں مدارس سے ڈرے سہمے لوگوں کو فارغ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایسے کم علم اور کوتاہ نظروں سے کوئی فائدہ نہیں جو نہ خود عمل کریں اور نہ ہی دلائل سے شریعت اسلامیہ کی برتری ثابت کر سکیں۔ آج ان مبلغین اور علما کی ضرورت ہے جو دنیا کے انقلابات اور اس کی ضروریات اور انسانی مہلکات سے بہ خوبی واقف ہوں اور ہر اس شخص کو جو اسلام کے خلاف جری ہو، خاموش کر سکیں۔ آج ان دعوتی تقاضوں کو حاصل کرنے کے لیے مدارس میں ایک تبدیلی کی ضرورت ہے جو ہماری موجودہ نسل کو حرکت و انقلاب عطا کر سکے، ہمت اور جذبہ عطا کر سکے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

مدارس میں جمود ہے، خوف ہے، دنیا پرستی اور تملق ہے۔ جمود اس لیے کہ ہم اپنی بحثوں کا دار ان پر کر رہے ہیں، جو موجود نہیں ہیں۔ جو فرقہ صدیوں سے پہلے مر کھپ گیا، اس کے خلاف تحریر ہم یاد کر رہے ہیں اور ہمارا موجود دشمن ہم پر وار پر وار کیے جا رہا ہے، ہم کو اس کی پروا نہیں۔ طلاق و نکاح، حدود و قصاص کو وہ رد کر رہا ہے اور ہم باب فدک اور خلافت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے مسائل پر بحث کر رہے ہیں۔ دشمن اذان پر پابندی لگانے کی تیاری کر رہا ہے اور ہم اذان قبر پر دست بہ گریباں ہیں۔ خوف اس لیے کہ اگر کوئی جج اور نام نہاد مفکر یا کوئی صحافی کسی مسئلے کو رد کرتا ہے تو ہم اس کے خلاف لب نہیں کھولتے۔ دنیا پرستی اس لیے کسی بھی مدرسے میں جائیے، اہل علم کی قدر نہیں ہوگی۔ ہر جگہ سیٹھ صاحب کو استقبالیہ دیا جائے گا اور کوئی اہل علم میں سے سو چکر لگائے تو سلام علیک کرنے کو تیار نہیں۔ تملق اس لیے کہ ہمارا تجربہ ہے، مشاہدہ ہے، اکثر جگہ پوری کی پوری درس گاہ کسی نہ کسی طاقت ور شخصیت کے ارد گرد گھومتی ہے اور باقی اسٹاف اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے تگ و دو میں لگا رہتا ہے۔ جو درس گاہیں ان اوصاف قبیحہ کی حامل ہوں وہاں بے باک اور صاحب نظر مبلغ پیدا ہونا مشکل ہے۔ مدارس صرف علم کی جگہ نہیں ہونے چاہئیں بلکہ وہ صفائے نفس اور باطنی انوار کے انکشاف کا منبع ہونے چاہئیں۔ علم و حکمت اس وقت تک بے کار ہیں جب تک کہ وہ حقیر جذبوں سے آزاد نہ ہوں اور درد و شوق کے لطیف جذبوں سے معمور نہ ہوں۔

عطار ہو، رومی، رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

کچھ لوگ یہ سوچتے ہیں کہ یہ کام مدارس میں صوفیائے کرام کی اصطلاحی کتابیں داخل کرنے سے مکمل ہو جائے گا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تصوف بھی دو طرح کا ہے۔ ایک حقیقی اور ایک الفاظ و اصطلاح میں۔ یہاں پر تصوف کی اصطلاحوں کی ضرورت نہیں ہے، وہ کچھ انقلاب لانے والی نہیں بلکہ یہاں اس حقیقی تصوف کی ضرورت ہے جو اصطلاحوں سے پہلے تھا یعنی وہ جذبہ و شوق اور قربانی دینے کی تیاری اور کتاب و سنت سے محبت،، جس کا نمونہ اصحاب کرام تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اصطلاحی تصوف سے پہلے ان صحابۂ کرام کی سیرت کو سچے دل اور جذبے سے نافذ کرنا ضروری ہے۔ یعنی مدارس میں جو علوم حاصل ہوں، ان کے ساتھ صحابۂ کرام کے ایمان کی خصوصیات طلبہ کے دلوں پر نقش ہوتی رہیں، علم و حکمت، زمانے کی رفتار کی سمجھ، سماجیات سے واقفیت، اخلاص و استغنا کی جو مثالیں ہمیں صحابۂ کرام کی زندگی سے ملتی ہیں وہ تاریخ انسانی میں نایاب ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور فرمان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور گردن جھکانا جس انداز

سے انھوں نے نبھایا، کسی دوسری امت میں موجود نہیں ہے۔ آج کل خانقاہوں اور مدارس میں اس چیز کا فقدان ہے اور امت کا کارواں منزل تک بغیر اس سوغات کو سینے سے لگائے نہیں پہنچ سکتا ہے۔

مکتبوں میں کہیں رعنائیِ افکار بھی ہے
خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے
منزل راہ رواں دور بھی دشوار بھی ہے
کوئی اس قافلے میں قافلہ سالار بھی ہے
بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدر کرار بھی ہے
علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لیے
لذت شوق بھی ہے نعمت دیدار بھی ہے

دوستو! مدارس کی تجدید کاری کا یہ ایک پہلو ہے جس پر کام کم ہو رہا ہے اور یہی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہاں پر دو باتیں الگ الگ ہیں اور دونوں کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ قوم مسلم کی تعلیم اور دینی اور شرعی تعلیم۔ دنیوی علوم بھی کافی ہیں اور دینی علوم بھی۔ کوئی طالب علم دونوں کا ماسٹر نہیں بن سکتا۔ جدید علوم کے لیے درس گاہیں بھی ضروری ہیں اور ان کو اسلامی تربیت سے روشن کرنا بھی ضروری ہے۔

دوسرے مدارس جو علمائے کرام اور مبلغین کی قافلہ سازی کے لیے قائم ہیں ان پر دنیوی علوم کا اتنا بوجھ کہ وہ اپنے اصل مقصد سے ہٹ جائیں، مناسب نہیں ہیں۔ آج کل مدارس سے دونوں کام لینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو مدارس حکومت کی شرائط پر ہیں وہ تقریباً دنیوی اداروں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ ان سے انقلابی مبلغین کے پیدا ہونے کی امید فضول ہے۔ دعوت و تبلیغ کے لیے اس قسم کے مدارس کی ضرورت ہے جن کا خاکہ اور خصوصیات گزشتہ صفحات سے ظاہر ہو چکی ہیں اور جن کو اختصار سے یوں ذکر کیا جا سکتا ہے:

(1) حکومت وقت کے دباؤ اور شرائط سے آزاد ہو۔
(2) کتاب و سنت، فقہ و تاریخ اور علوم عربیہ کی وہ تمام کتابیں پڑھائی جائیں جو اساطین امت کی تحریر ہیں۔
(3) سیرت صحابۂ کرام اور میدانِ تبلیغ کے شہ سواروں کے کارناموں سے ان مدارس کے طلبہ مکمل روشناس ہوں۔
(4) دعوت و تبلیغ کی خاص تربیت ہو۔
(5) اتنی مقدار میں ادیان و مذاہب اور افکار تازہ کی جانکاری ہو کہ وہ ان کا رد کر سکیں۔
(6) قوموں کی ذہنیت اور سماجی علوم پر ان کی گرفت مضبوط ہو۔
(7) شریعت کی مخالفت پر کسی قسم کی رعایت ان مدارس کے طلبہ اور ذمے داران اور اساتذہ کی نہ کی جائے اور وہ نہ کریں۔

دوستو! اس زمانے میں ایسی درس گاہیں موجود ہو جائیں، ظاہر میں آسان نہیں لگتا، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لیے کچھ ایسے روشن دلوں کو جمع کر دے جو یہ کارنامہ انجام دے سکیں۔

خدائے تعالیٰ ہم اور آپ کو صرف کہنے والوں میں سے نہ بنائے بلکہ حق کہنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
یک رنگی و آزادی اے ہمت مردانہ
یا سنجر و طغرل کا آئین جہاں گیری
یا مرد قلندر کا انداز ملوکانہ
یا حیرت فارابی یا تاب و تب رومی
یا فکر حکیمانہ، یا جذب کلیمانہ
یا عقل کی روباہی یا عشق ید اللّٰہی
یا حیلۂ افرنگی یا حملۂ ترکانہ
یا شرع مسلمانی یا دیر کی دربانی
یا نعرۂ مستانہ کعبہ ہو کہ بت خانہ
میری میں فقیری میں شاہی غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جرأتِ رندانہ

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمی والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد و علی الہ و اصحابہ اجمعین.

☆☆☆

اسلام میں تغیر نسب : ایک جائزہ

مولانا تاج محمد خان ازہری

کامیاب تاجر وہی ہوتا ہے جو تجارت شروع کرنے سے قبل بازار کا صحیح طریقے سے جائزہ اور معاینہ کر کے مارکیٹ میں وہی سامان فراہم کرتا ہے جس کی لوگوں کو شدید ضرورت ہوتی ہے، یونہی ظفریاب طبیب اسے سمجھا جاتا ہے جو پہلے مکمل یک سوئی کے ساتھ مریض کی نبض پکڑ کر مرض کی تشخیص کرتا ہے اور پھر اس کے بعد دوا تجویز کرتا ہے، بعینہ کامیاب ترین محرر، صاحب قلم اور صحیح معنوں میں رائٹر (Writer) وہی شخص ہوتا ہے جس کی تحریر سماج اور معاشرے کے کرنٹ ایشوز (Current Issues) اور سلگتے مسائل کی عکاسی کر رہی ہو۔ روایتی انداز میں کام کوئی بھی انسان کر سکتا ہے لیکن لطف تو جب ہے کہ کام روایت شکن اور تاریخ ساز ہو، اس لیے ہم میں سے ہر صاحب قلم کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ روایتی تحریروں کے ساتھ ساتھ سوسائٹی کے برنگ ایشوز (Burnning Topics) پر بھی قلم اٹھائیں۔ مثال کے طور پر آج ہندوستانی معاشرے میں اہل ایمان کے مابین بہت سی برائیاں پنپ رہی ہیں ان میں سے ایک خطرناک اور مہلک وبا ہے تبدیلی نسب۔ عجم میں یہ فیشن چل پڑا ہے کہ ہر ذات بات اپنے آپ کو سید کہنے اور لکھنے لگا ہے، قبل ازیں کہ یہ کینسر امت مسلمہ کے پورے جسم میں پھیل جائے ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل علم و دانش اور اصحاب قلم اس فتنے کا سد باب کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں، مگر انتہائی افسوس کے ساتھ تحریر کرنا پڑ رہا ہے کہ جب معالج خود ہی مریض ہو اور خود اپنا علاج کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ بھلا دوسرے کا کیا علاج کرے گا؟ تغیر نسب کی یہ بیماری اگر عوام الناس کے درمیان عام ہوتی تو شائد علما و مشائخ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ اس پر قابو اور کنٹرول پالیتے، لیکن چونکہ اس گھناؤنے جرم کے مرتکب زیادہ تر خود یہی لوگ ہیں تو بھلا اصلاح کی توقع کیسے اور کس سے کی جائے!؟ ایک ادنیٰ فہم و بصیرت رکھنے والا بھی اس حقیقت سے روگردانی نہیں کر سکتا کہ اگر کسی بھی چیز میں آگ لگ جائے تو اسے پانی سے بجھایا جا سکتا ہے، لیکن اگر آگ خود پانی ہی میں لگ جائے تو پھر اسے کس چیز سے بجھایا جائے۔

درحقیقت ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس موضوع پر قلم خود صحیح النسب سادات کرام اٹھاتے مگر صد افسوس کہ مادہ پرستی، ذخیرہ اندوزی، حب دنیا اور حرص و طمع ان کے بھی دل و دماغ میں اس طرح رچ بس چکی ہے کہ انہیں اپنی جیب بھرنے سے ہی کب فرصت ہے کہ ان غیر ضروری مسائل کی جانب توجہ اور التفات کریں۔ حکیم کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، وہ تو کہیے کہ علام الغیوب جل مجدہ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے صدقہ و زکاۃ کے جو آٹھ مصارف اور مستحقین قرآن میں ذکر فرمائے ہیں ان میں کہیں سادات کرام کا ذکر نہیں کیا ورنہ بقیہ سات مستحقین ایک ایک لقمہ کے لیے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیتے مگر لوگ دخول جنت کی طمع میں بقیہ مستحقین کو محروم رکھ کر صرف اور صرف ایک ہی کو دیتے۔ یہ ان کے مادہ پرستی اور عملی بے راہ روی ہی کی دین ہے کہ شاعر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا:

شیخ آئے محشر میں اعمال ندارد
جس مال کے تاجر تھے وہی مال ندارد

آمدم بر سر مطلب، سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کون سے اسباب و علل اور دوافع و محرکات ہیں جن کی وجہ سے انسان تغیر نسب جیسے بھیانک جرم و خطا کا ارتکاب کرتا ہے، غور و فکر کے بعد نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی آل و اولاد سے ہمیں محبت کرنے کا حکم دیا ہے ہم نے اس کا مفہوم حقیقی ترک کر کے ایک خود ساختہ مفہوم اختیار کر لیا ہے، ہم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ سید چاہے (معاذ اللہ) فاسق و فاجر ہو تب بھی قابل تعظیم ہے، جب کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ سادات کرام ہمارے لیے لائق صد احترام اسی وقت ہیں جب وہ صحیح النسب ہونے کے ساتھ ساتھ متقی و پرہیزگار ہوں، اس لیے کہ اسلام نے تفاضل و برتری کا معیار قرابت و نسب کو نہیں قرار دیا

ہے بلکہ زہد و تقوی ہی معیار فضیلت و برتری ہے اور یہ میں نہیں کہہ رہا بلکہ خود خالق کائنات کا ارشاد گرامی ہے:

یا أیھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم.

اے لوگو! ہم نے پیدا کیا تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

حسب و نسب پر تفاخر و مباہات یہ کوئی عصر حاضر کی پیداوار نہیں ہے بلکہ اس بیماری کی جڑیں عہد قدیم تک پھیلی ہوئی ہیں، عربوں میں دیگر گونا گوں خرابیوں کے ساتھ ساتھ تفاخر نسب کی وبا بھی عام تھی، وہ اپنے آپ کو سب سے افضل و برتر اور اشرف و اعلیٰ گمان کرتے تھے، لیکن ان سب میں قریش کے فخر و مباہات کی شان ہی جداگانہ تھی، جب مکہ فتح ہو گیا، اور اس کی فضاؤں میں پرچم اسلام لہرانے لگا تو فاتح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال حبشی کو بلایا اور حکم دیا کہ خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور ندائے حق (اذان) بلند کرو؟ تعمیل حکم میں بلال بن رباح نے کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دینی شروع کی تو روسائے قریش پر کوہ الم ٹوٹ پڑا، ان کے دلی رنج و غم کا اندازہ مندرجہ ذیل مکالمہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

عتاب ابن اسید نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ میرا باپ یہ روح فرسا منظر دیکھنے سے قبل مر گیا۔ حارث ابن ہشام کہنے لگا کہ اس کالے کوے کے سوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور کوئی مؤذن ہی نہیں ملا۔ اسی وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ان کے اس زعم باطل کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ اور عصر جاہلی کی اس قبیح رسم کی رہی سہی جڑ پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اکھیڑ پھینکا۔ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تاریخی خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں:

یأیھاالناس ألا ان ربکم واحد، لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی، ولا لأسود علی أحمر ولالأحمر علی أسود الا بالتقوی، ان أکرمکم عند اللہ اتقکم، ألا هل بلغت؟ قالوا بلی یارسول اللہ، قال فلیبلغ الشاهد الغائب. (البیهقی)

ترجمہ: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، نہ کسی کالے کو سرخ پر، نہ کسی سرخ کو کالے پر برتری حاصل ہے بجز تقوی کے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہوگا۔ لوگو! کیا میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا یا رسول اللہ! بے شک آپ نے پہنچا دیا، فرمایا جو یہاں موجود ہیں وہ یہ حکم ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں

مزید ارشاد فرمایا:

کلکم بنو آدم وآدم خلق من تراب، ولینتهین قوم یفخرون بآبائهم أو لیکونن أهون علی اللہ من الجعلان. (بزاز)

ترجمہ: تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا، لوگ اپنے باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آجائیں، ورنہ وہ اللہ کے نزدیک گوبر کے کیڑے سے بھی حقیر و ذلیل ہوں گے

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

ان اللہ لا یسئلکم عن أحسابکم ولا عن أنسابکم یوم القیامة، ان أکرمکم عند اللہ أتقکم.

اللہ تعالیٰ روز محشر تم سے تمہارے حسب و نسب کے بارے میں باز پرس نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ محترم وہ ہوگا جو زیادہ متقی ہوگا۔ (تفسیر ابن جریر)

اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

ان اللہ لا ینظر الی صورکم وأموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم.

اللہ تمہاری شکلوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ (مسلم)

اور کسی موقع پر یہ بھی فرمایا گیا:

الناس سواسیه عند الله کأسنان المشط.

اللہ کے نزدیک تمام انسان ایسے ہی برابر ہیں جیسے کی کنگھی کے دانے۔

جب خالق نے ہی اپنے بندوں کی تخلیق میں کوئی تفریق نہیں کیا تو مخلوق کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان کے مابین ادنی واعلی کا خط امتیاز کھینچے؟! رسول ہاشمی کے یار غار حضرت سیدنا صدیق اکبر نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد قبیلہ بنی ثقیف میں خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جو تاریخی خطبہ دیا تھا، اس میں واضح طور پر فرمادیا: اے لوگو! تم پر میری اطاعت اسی وقت تک لازم وضروری ہے جب تک میں راہ راست پر ہوں، لیکن اگر میں صراط مستقیم سے بھٹک جاؤں تو تم پر میری اطاعت و فرماں برداری ہرگز لازم نہیں۔ خلیفۂ اول نے اپنے اس قول کے ذریعہ ہمیں یہ پیغام دیا کہ خواہ وہ کوئی بھی شخص ہو، وہ قابل تعظیم و احترام اسی وقت تک ہے جب تک کی وہ فسق وفجور سے بعید اور زہد و اتقا کے قریب ہے۔ امام وقت حضرت سیدنا محمد بن ادریس الشافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

من أبطاء به عمله لم یسبق به نسبه.

جو شخص عمل میں پیچھے ہو اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ آج ہم یزید ابن معاویہ کو اس کی خاندانی شرافت ووجاہت، فرزند صحابی اور سید الانبیا کے اس کا پھوپھا ہونے کے باوجود لعن وطعن کرتے ہیں اور فاسق و فاجر گردانتے ہیں۔ بسبب فسق وفجور جب ہم وہاں خاندانی شرافت وقرابت اور جاہ و منصب کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں پھر یہاں وجہ ترجیح واعتبار کیا ہے؟! مسلمانو! عقل و خرد سے کام لو؟ یہ مذہب اسلام ہے اسلام، ہندوازم نہیں جس میں انسانوں کو نسلی برتری کی بنیاد پر طبقات میں تقسیم کردیا گیا ہے: برہمن، چھتریہ، ویشیہ اور شودر۔ ہندو سماج میں مؤخر الذکر طبقہ کی حالت کیا ہے اہل علم دانش پر مخفی نہیں۔ نہ تو انہیں اپنے سے اعلی طبقہ والوں کے عبادت خانے میں جانے کا حق ہے اور نہ ہی ان کے کنویں سے پانی بھرنے کی اجازت۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی حالت اس درجہ قابل رحم ہے کہ ناگفتہ بہ ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں آدم کے تمام بیٹے اور حوا کی تمام بیٹیاں اپنے خالق حقیقی کی نظر میں کنگھی کے دانے کی طرح مساوی ہیں۔ اگر کسی شخص کو اس قول کی صداقت اور فرمان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تفسیر دیکھنا ہے تو وہ بیت اللہ (مسجد) چلا جائے، ایک مسلمان اگر جاروب کش بھی ہے اور صف اول میں بیٹھ گیا ہے تو شہنشاہ وقت کو بھی یہ قدرت و اختیار نہیں ہے کہ اس کو دوسری صف میں جانے کا حکم دے سکے۔

سطور بالا میں تحریر کردہ قرآن کی اس تعلیم اور معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات وفرمودات کا اعجاز تھا کہ ایک ایسی امت معرض وجود میں آئی جس کے نزدیک عظمت و بزرگی کا معیار فقط تقوی اور پارسائی تھی۔ باقی تمام امتیازات مٹ گئے، اور نسلی فخر ومباہات کے تمام اسباب کا قلع قمع ہوگیا۔ مگر صد افسوس کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہی مرض بالخصوص بلاد عجم میں ایک بار پھر عود کر آیا، اور حصول دنیا کی لالچ وطمع میں لوگوں نے اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا۔ اور دنیوی چند کھوٹے سکوں کی کھنک نے بعض لوگوں کو بہرا اور ضمیر فروش بنا دیا اور ہوا یہ کہ لوگوں نے جب دیکھا دنیا کے پیچھے وہی لوگ بھاگ رہے ہیں اور دنیا بھی انہیں لوگوں کے پیچھے بھاگ رہی ہے جو سادات ہیں، پھر کیا تھا! یہ تو ملک ہندوستان ہے ہی، اصل کی نقل پیش کرنے میں دنیا میں نمبرون، جیسے ہی جاپان نے کوئی گاڑی بنائی اگلے دن ہندوستان میں اس کی نقل تیار۔ کچھ ایسا ہی حال یہاں بھی ہوا، بغیر عرق ریزی اور جفاکشی کے سادات کی عیش وعشرت کی زندگی دیکھ کر کچھ لوگوں کی نفس امارہ پھڑک اٹھی اور اندر چھپے ہوے شیطان نے ورغلایا کہ مجرد آل رسول ہونے کے دعوے سے (گھر بیٹھ کر ملے گا کھانے کو پھر کیوں جائے گا کمانے کو؟)۔ اب کیا تھا! تغیر نسب کی ایک ہوا چلی، اور ہر چہار جانب سے صدائیں بلند ہونے لگیں: کسی نے کہا میں سید ہوں میرا تعلق سادات بخارا وسمرقند سے ہے، دوسرے نے دعوا کیا میں بھی سید ہوں میرے جد اعلی ملک شام سے ہندوستان آئے تھے، الغرض جس فرد نے معاشرے میں جتنی زیادہ قابل رحم زندگی بسر کی اس نے اتنا ہی بڑا اور خطرناک دعوی کیا، کوئی شیخ صدیقی اور خان پٹھان تک ہی محدود رہ گیا اور کوئی فقیر سے ڈائرکٹ سید، ابتدا بریکٹ میں چھوٹے چھوٹے حروف میں لکھنا شروع کیا (سید فلاں) وقت گزرتا گیا اور حروف بتدریج بڑھتے گئے پھر وہ وقت آیا کہ جلی حروف میں لکھنے لگے **(سید فلاں)**

۔ اظہار نسب کے اس دوڑ میں بھلا وہ اشخاص کیسے پیچھے رہ سکتے تھے جنہوں نے اگرچہ کسی سید کی صلب سے جنم نہیں لیا تھا مگر کسی سید زادی کے رحم سے پیدا ضرور ہوے تھے، اب وہ بھی اپنے آپ کو سید کہنے اور لکھنے لگے اور اس جنوں کی شدت تاثیر نے ان کے دل و دماغ اور حاشیۂ خیال سے یہ قاعدہ بھی محو کردیا کہ انسانوں میں نسب من جہت الأب معتبر ہوتا ہے ہاں البتہ بہایم وحیوانات میں نسب کا اعتبار ماں کی جانب سے ہوتا ہے لھذا اگر کسی شخص کی ماں سید زادی بھی ہے اور اس کا باپ اگر خان یا پٹھان ہے تو اسے شرعا ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے آپ کو سید کہہ یا لکھ سکے۔ اور یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جب تمام انسان اللہ جل مجدہ کی نظر میں مساوی ہیں تو پھر بھلا چند روزہ عیش وعشرت کی خاطر لوگ اپنے حقیقی آبا واجداد کی جانب نسبت کرنے سے اعراض وانحراف کیوں کرتے ہیں؟!

آخرت کے عذاب سے ڈرو!

دنیا اور اس کی نعمتیں چند روزہ اور فانی ہیں اس لیے لوگو! تغیر نسب کی لعنت سے بچو! بشیر ونذیر صلی اللہ علیہ وسلم نے نسب تبدیل کرنے والوں کے لیے انتہائی سخت وعید فرمائی ہے، وہ نبی جو رحمۃ للعالمین اور اپنی امت پر مادر مہربان سے بھی زیادہ مشفق ہے تبدیلی نسب کرنے والوں کے تئیں ذرا اس کے غیظ وغضب کے تیور ملاحظہ کرو: ارشاد فرماتے ہیں:

عن سعد بن ابی وقاص أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من ادعی الی غیر أبیه فالجنة علیه حرام.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی غیر کی جانب منسوب کیا اس پر جنت حرام ہے۔

دوسری حدیث پاک میں ہے:

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: لا ترغبوا عن آبائکم ،فمن رغب عن أبیه فهو کفر.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آبا واجداد سے بیزار مت ہو، اس لیے کہ جس نے اپنے باپ دادا سے بیزاری کا اظہار کیا گویا اس نے کفر کیا۔

مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

عن أبی ذر أنه سمع رسول الله یقول : لیس من رجل ادعی لغیر أبیه وهو یعلمه الا کفر.

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوے سنا کہ جو شخص اپنے آبا واجداد اور حسب ونسب کے بارے میں جانتے ہوے بھی کسی غیر کی جانب اپنی نسبت کرے اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔

اب ذرا اسد اللہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ملاحظہ ہو:

عن یزید بن شریک بن طارق قال: رأیت علیا علی المنبر یخطب فسمعته یقول: ...و من ادعی الی غیر أبیه أو انتمی الی غیر موالیه فعلیه "لعنه الله و الملائکه" والناس أجمعین، لایقبل الله منه یوم القیامه صرفا ولا عدلا.....

جس شخص نے اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی غیر کی ابوت کا دعوی کیا اور وہ شخص جس نے اپنی ولا کو تبدیل کیا، اس پر اللہ، فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور بروز حشر اللہ تعالی نہ تو اس کی توبہ قبول فرمائے گا اور نہ ہی کوئی فدیہ۔

غور کیجیے کہ جب رب قدیر کو یہ تک منظور نہ ہوا کہ کوئی شخص متبنی (لے پالک بیٹا) کو اپنی جانب منسوب کرے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگ حقیقی آبا کو ترک کرکے اپنے آپ کو کسی غیر اب کی جانب منسوب کریں اور شارع علیہ السلام اس جرم عظیم پر سکوت اختیار کریں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ نسب تبدیل کرنا شریعت مطہرہ کی نظر میں کفر کے مساوی جرم ہے لہذا لوگوں کو چاہیے کہ اس جرم عظیم سے گریز کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اصلاح معاشرہ

مراسم ماہ محرم اور ان کے شرعی احکام

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

محرم کا مہینہ بڑا مبارک اور محترم مہینہ ہے۔ اسلامی سال کا یہ پہلا مہینہ اپنے اندر بڑی عظیم یادگاریں رکھتا ہے۔ اس کی دسویں تاریخ، جس کو یوم عاشورہ کہتے ہیں، بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ محرم ہی کی دسویں تاریخ جمعہ کے دن حضرت نوح علیہ السلام اپنی کشتی سے زمین پر تشریف لائے اور اسی دن دسویں تاریخ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ظلم سے نجات پائی جب کہ فرعون غرق ہو گیا، اسی دسویں محرم اور جمعہ کے دن قیامت آنے والی ہے۔ اکسٹھ ہجری دسویں محرم جمعہ کے دن ہی شہزادۂ رسول جگر گوشۂ بتول اور گلشن اسلام کے مہکتے پھول حضرت سیدنا امام عالی مقام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کربلا کی تپتی ہوئی سرزمین پر شہادت کا جام پیا۔ اسی لیے جب ہر سال یہ تاریخ آتی ہے، محبان اہل بیت اس واقعہ فاجعہ کو یاد کر کے غم واندوہ میں ڈوب جاتے ہیں۔ طبعی طور سے اگر واقعات کربلا سن کر یا یاد کر کے غم تازہ ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ قصداً سوگ منانا، ماتم و نوحہ کی فضا قائم کرنا اور سینہ کوبی کرنا کسی طرح شرعاً جائز نہیں۔ ہو سکے تو نویں دسویں دن روزہ رکھ کر اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کریں، صدقہ و خیرات کریں، شہدائے کربلا و دیگر صحابۂ اہل بیت کو ایصال ثواب کریں۔ اہل بیت کے فضائل کی مجالس قائم کریں اور سچے واقعات کربلا بیان کریں اور سنیں۔

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے خلیفہ وتلمیذ صدر الشریعہ بدر الطریقہ فقیہ اعظم حضرت مولانا شاہ محمد امجد علی اعظمی قادری رضوی قدس سرہ مصنف بہار شریعت ارشاد فرماتے ہیں:

”ماہ محرم میں دس دنوں تک خصوصاً حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و دیگر شہدائے کربلا کو ایصال ثواب کرتے ہیں کوئی شربت پر فاتحہ دلاتا ہے، کوئی شیرینی پر فاتحہ، کوئی مٹھائی پر، کوئی روٹی گوشت پر۔ جس پر چاہو فاتحہ دلاؤ جائز ہے، ان کو جس طرح ایصال ثواب کرو مندوب (پسندیدہ) ہے۔ بہت سے (لوگ) پانی اور شربت کی سبیل لگاتے ہیں، جاڑوں میں چائے پلاتے ہیں، کوئی کھچڑا پکواتا ہے، جو کار خیر کرو اور ثواب پہنچاؤ، ہو سکتا ہے۔ ان سب کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ بعض جاہلوں میں مشہور ہے کہ محرم میں سوائے شہدائے کربلا کے دوسروں کی فاتحہ نہ دلائی جائے، ان کا یہ خیال غلط ہے، جس طرح دوسرے دنوں میں سب کی فاتحہ ہو سکتی ہے، ان دنوں میں بھی ہو سکتی ہے۔“

(بہار شریعت، حصہ 14 ص:224-225)

مجلس ذکر شہادت: حضرت صدر الشریعہ اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان، ماہ محرم شریف کی مجالس کے بارے میں رقم طراز ہیں:

”عشرۂ محرم میں مجلس منعقد کرنا اور واقعات کربلا بیان کرنا جائز ہے، جب کہ روایات، صحیح بیان کی جائیں۔ ان واقعات میں صبر و تحمل، رضا و تسلیم کا مکمل درس ہے اور پابندی احکام شریعت و اتباع سنت کا زبردست عملی ثبوت ہے کہ دین حق کی حفاظت میں تمام اعزہ واقربا ورفقا اور خود اپنے کو راہ خدا میں قربان کیا اور جزع و فزع کا نام بھی نہ آنے دیا۔ مگر اس مجلس میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی ذکر خیر ہو جانا چاہیے تا کہ اہل سنت اور شیعوں کی مجالس میں فرق و امتیاز رہے۔“ (بہار شریعت، حصہ 16 ص:247)

تعزیہ داری: دسویں محرم میں برصغیر ہند و پاک و بنگلہ دیش میں یادگار امام کے نام پر تعزیہ داری کی جو رسم جاری ہے وہ انتہائی غلط شکل اختیار کر گئی ہے۔ مقامات مقدسہ اور روضۂ امام عالی مقام کا محض صحیح نقشہ بنوا کر بطور یادگار رکھا جاتا تو اس میں کوئی حرج نہ تھا۔ جیسے کہ کعبۂ معظمہ اور روضۂ رسول کے نقشے ہم بناتے اور گھروں میں تبرکاً رکھتے ہیں۔ مگر افسوس، عقیدت کے غلو نے تعزیہ کو مایۂ بدعات بنا کر رکھ دیا۔ حتیٰ کہ اب تو روضۂ امام کا صحیح نقشہ بھی باقی نہ رہا۔ طرح طرح کی نئی تراش خراش نے تعزیہ کو ایک نئے نقشے میں تبدیل کر دیا ہے، لہٰذا اب حد سے تجاوز کی بنیاد پر اس کو کسی طرح جائز نہیں قرار

مہتمم دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو

دیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں جو بے راہ رویاں در آئی ہیں ان کو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس طرح بیان کیا ہے:

”تعزیہ داری کہ واقعات کربلا کے سلسلے میں طرح طرح کے ڈھانچے بناتے اور ان کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ پاک کی شبیہ کہتے ہیں۔ کہیں تخت بنائے جاتے ہیں، کہیں ضریح (قبر) بنتی ہے اور علم اور شدے نکالے جاتے ہیں۔ ڈھول تاشے اور قسم قسم کے باجے بجائے جاتے ہیں۔ تعزیوں کا بہت دھوم دھام سے گشت ہوتا ہے۔ آگے پیچھے ہونے میں جاہلیت کے سے جھگڑے ہوتے ہیں، کبھی درخت کی شاخیں کاٹی جاتی ہیں، کہیں چبوترے کھدوا دیے جاتے ہیں۔ تعزیوں سے منتیں مانی جاتی ہیں، سونے چاندی کے علم چڑھائے جاتے ہیں، ہار پھول ناریل چڑھاتے ہیں، وہاں جوتے پہن کر جانے کو گناہ جانتے ہیں، بلکہ اس شدت سے منع کرتے ہیں کہ گناہ پر بھی ایسی ممانعت نہیں کرتے۔ چھتری لگانے کو بہت برا جانتے ہیں۔ تعزیوں کے اندر دو مصنوعی قبریں بناتے ہیں، ایک پر سبز غلاف اور دوسرے پر سرخ غلاف ڈالتے ہیں، سبز غلاف والی کو حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اور سرخ غلاف والی کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر یا شبیہ قبر بتاتے ہیں اور وہاں شربت، مالیدہ وغیرہ پر فاتحہ دلواتے ہیں۔ یہ تصور کر کے کہ حضرت امام عالی مقام کے روضہ اور مواجہ اقدس میں فاتحہ دلا رہے ہیں، پھر یہ تعزیے دسویں تاریخ کو مصنوعی کربلا میں لے جا کر دفن کرتے ہیں۔ گویا یہ جنازہ تھا جسے دفن کر آئے، پھر تیجہ، دسواں، چالیسواں سب کچھ کیا جاتا ہے اور ہر ایک خرافات پر مشتمل ہوتا ہے۔

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہندی نکالتے ہیں گویا ان کی شادی ہو رہی ہے اور مہندی رچائی جائے گی۔

اور اس تعزیہ داری کے سلسلے میں کوئی پیک بنتا ہے جس کے کمر سے گھنگھرو بندھے ہوتے ہیں گویا حضرت امام عالی مقام کا قاصد اور ہرکارہ ہے جو یہاں سے خط لے کر ابن زیاد یا یزید کے پاس جائے گا، وہ ہرکاروں کی طرح بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔

کسی بچہ کو فقیر بنایا جاتا ہے، اس کے گلے میں جھولی ڈالتے اور گھر گھر اس سے بھیک منگواتے ہیں۔

کوئی سقہ (بھشتی) بنایا جاتا ہے۔ چھوٹی سی مشک اس کے کندھے سے لٹکتی ہے، گویا یہ دریائے فرات سے پانی بھر کر لائے گا۔ کسی علم پر مشک لٹکتی ہے اور اس میں تیر لگا ہوتا ہے۔ یہ حضرت عباس علم بردار ہیں کہ فرات سے پانی لا رہے ہیں اور یزیدیوں نے مشک کو تیر سے چھید دیا ہے۔ اس قسم کی بہت سی باتیں کی جاتی ہیں، یہ سب لغو و خرافات ہیں۔ ان سے ہرگز سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش نہیں ہوں گے۔

تم خود غور کرو کہ انھوں نے احیائے دین وسنت کے لیے یہ زبردست قربانیاں دیں اور تم نے معاذ اللہ اس کو بدعات کا ذریعہ بنا لیا۔ بعض جگہ اس تعزیہ داری کے سلسلے میں براق بنایا جاتا ہے، جو عجیب قسم کا مجسمہ ہوتا ہے کہ کچھ حصہ انسانی شکل کا ہوتا ہے اور کچھ حصہ جانور کا سا، شاید یہ حضرت امام عالی مقام کی سواری کے لیے ایک جانور ہوگا۔ کہیں دلدل بنتا ہے کہیں بڑی بڑی قبریں بنتی ہیں۔ بعض جگہ آدمی ریچھ، بندر، لنگور بنتے ہیں اور کودتے پھرتے ہیں، جن کو اسلام تو اسلام انسانی تہذیب بھی جائز نہیں رکھتی، ایسی بری حرکت کو اسلام ہرگز جائز نہیں رکھتا۔ افسوس! کہ محبت اہل بیت کرام کا دعویٰ اور ایسی بے جا حرکتیں۔ یہ واقعہ تمہارے لیے نصیحت تھا اور تم نے اس کو کھیل تماشا بنا لیا۔ اسی سلسلے میں نوحہ و ماتم بھی ہوتا ہے اور سینہ کوبی ہوتی ہے۔ اتنے زور زور سے سینہ کوٹتے ہیں کہ ورم ہو جاتا ہے، سینہ سرخ ہو جاتا ہے بلکہ بعض جگہ زنجیروں اور چھریوں سے ماتم کرتے ہیں کہ سینے سے خون بہنے لگتا ہے۔

تعزیوں کے پاس مرثیہ پڑھا جاتا ہے اور تعزیہ جب گشت کو نکلتا ہے اس وقت بھی اس کے آگے مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ مرثیہ میں غلط واقعات نظم کیے جاتے ہیں۔ اہل بیت کرام کی بے حرمتی اور بے صبری اور جزع فزع کا ذکر کیا جاتا ہے اور چوں کہ اکثر مرثیہ رافضیوں کے ہی ہیں، بعض میں تبرا بھی ہوتا ہے، مگر اسے رو میں سنی بھی بے تکلف پڑھ جاتے ہیں اور انھیں اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ یہ سب ناجائز اور گناہ کے کام ہیں۔

اظہار غم کے لیے سر کے بال بکھیرتے ہیں، کپڑے پھاڑتے اور سر پر خاک ڈالتے اور بھوسا اڑاتے ہیں۔ یہ بھی ناجائز اور جاہلیت کے کام ہیں۔ ان سے بچنا بہت ضروری ہے۔ احادیث میں ان سب کی ممانعت آئی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے امور سے پرہیز کریں اور ایسے کام کریں جن سے اللہ اور

رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں کہ یہی نجات کا راستہ ہے۔

تعزیہ اور علم کے ساتھ بعض لوگ لنگر لٹاتے ہیں ۔ یعنی روٹیاں یا بسکٹ اور کوئی چیز اونچی جگہ سے پھینکتے ہیں ۔ یہ ناجائز ہے کہ رزق کی سخت بے حرمتی ہوتی ہے ۔ یہ چیزیں کبھی نالیوں میں بھی گرتی ہیں اور اکثر لوٹنے والوں کے پاؤں کے نیچے بھی آتی ہیں اور بہت کچھ کچل کر ضائع ہوتی ہیں ۔ اگر یہ چیزیں انسانیت کے طریق پر فقرا کو تقسیم کی جائیں تو بے حرمتی بھی نہ ہو اور جن کو دیا جائے انھیں فائدہ بھی پہنچے مگر وہ لوگ اس طرح لٹانے ہی کو اپنی نیک نامی تصور کرتے ہیں ۔

(بہارِ شریعت ،حصہ 16 ص:247-249 فاروقیہ ،دہلی)

دیکھا آپ نے بارگاہِ رضا کے اس پروردہ اور فیض یافتہ نے کیسا بے باک قلم چلایا اور دوٹوک فیصلہ سنایا ہے ۔ نہ اپنوں کی پروا کی ہے نہ غیروں کا خوف کھایا ہے ۔ سچے عالم دین کا یہی شیوہ ہوتا ہے ۔ اب ذرا مجددِ ملت مصلح امت سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کے ارشادات و فتاویٰ بھی تعزیہ و متعلقات تعزیہ کے بارے میں ملاحظہ کریں کہ وہ دردمند ملت ،قوم کی فلاح و بہبود کے لیے کیا کیا اقدام فرماتے ہیں اور بدعات و خرافات پر کیسی کاری ضرب لگاتے ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں:

”تعزیہ کی اصل اس قدر تھی کہ روضہ پر نور حضور شہزادہ گلگوں قبا حسین شہید ظلم و جفا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیٰ جدہ الکریم وعلیہ کی صحیح نقل بنا کر بہ نیت تبرک ،مکان میں رکھنا ،اس میں شرعاً کوئی حرج نہ تھا کہ تصویر ،مکانات وغیرہ ہر غیر جان دار کی بنانا رکھنا سب جائز ۔ اور ایسی چیزیں کہ معظمان دین کی طرف منسوب ہو کر عظمت پیدا کریں ان کی امثال (شکلیں) بہ نیت تبرک پاس رکھنا قطعاً جائز جیسے صدہا سال سے طبقۃً بعد طبقۃٍ (یکے بعد دیگرے) ائمۂ دین و علمائے معتمدین نعلین شریف حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشے بناتے اور ان کے فوائد جلیلہ و منافع جزیلہ میں مستقل رسالے تصنیف فرماتے ہیں ، جسے اشتباہ (شبہہ) ہو امام علامہ تلمسانی کی فتح المتعال وغیرہ مطالعہ کرے ۔ مگر جہال بے خرد (بے عقل جاہلوں) نے اس اصل جائز کو بالکل نیست و نابود کر کے صدہا خرافات تراشیں کہ شریعت مطہرہ سے الامان الامان کی صدائیں آئیں ۔ اول تو نفس تعزیہ میں روضۂ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی ۔ ہر جگہ نئی تراش ،نئی گڑھت ، جسے اس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت ، پھر کسی میں پریاں ، کسی میں براق کسی میں اور بے ہودہ طمطراق (دھوم دھام) پھر کوچہ بہ کوچہ ، دشت بہ دشت ، اشاعت غم کے لیے ان کا گشت اور ان کے گرد سینہ زنی اور ماتم سازی کی شور افگنی ۔ کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے ، کوئی مشغولِ طواف ، کوئی سجدے میں گرا ہے ، کوئی ان مایۂ بدعات (سامان بدعات) کو معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام علیٰ جدہ وعلیہ الصلاۃ والسلام سمجھ کر اس ابرک پنّی سے مرادیں مانگتا ،منتیں مانتا ہے ، حاجت روا جانتا ہے ۔ پھر باقی ،تماشے ، باجے ، تاشے ،مردوں عورتوں کا راتوں کو میل (اختلاط) اور طرح طرح کے بے ہودہ کھیل ان سب پر طرہ ہیں ۔ غرض عشرۂ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت و محل عبادت ٹھہرا ہوا تھا ۔ ان بے ہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا ۔ پھر وبالِ ابتداع (بدعت نکالنے کے وبال) کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطور خیرات نہ رکھا ۔ ریا و تفاخر علانیہ ہوتا ہے ، پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے ، روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں ، رزق الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے ، پیسے دیتے ہیں ، گر کر غائب ہوتے ہیں ، مال کی اضاعت (بربادی) ہو رہی ہے مگر نام تو ہو گیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں ۔

اب بہار عشرہ کے پھول کھلے ، تاشے باجے بجتے چلے ، طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم ، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم ، شہوانی میلوں کی پوری رسوم ، جشن یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ تصویریں بعینہا حضرات شہدا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جنازے ہیں ۔ (پھر) کچھ نوچ اتار ، باقی توڑ تاڑ دفن کر دیے ۔ یہ ہر سال اضاعت مال (مال ضائع کرنے) کے جرم و وبال جداگانہ رہے ۔ اللہ تعالیٰ صدقہ ، حضرات شہدائے کربلا علیہم الرضوان والثنا کا ہمارے بھائیوں کو نیکیوں کی توفیق بخشے اور بری باتوں سے توبہ عطا فرمائے ۔ آمین ۔

اب کہ تعزیہ داری اس طریقۂ نامرضیہ (پسندیدہ) کا نام ہے ، قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے ۔ ہاں اگر اہل اسلام صرف جائز طور پر حضرات شہدائے کرام علیہم الرضوان التام کی ارواحِ طیبہ کو ایصالِ ثواب کی سعادت پر اقتصار (اکتفا) کرتے تو کس قدر خوب و محبوب تھا ۔ اور اگر نظر شوق و محبت میں نقل روضۂ انور کی

بھی حاجت تھی تو اسی قدر جائز پر قناعت کرتے کہ صحیح نقل کو بغرض تبرک و زیارت اپنے مکانوں میں رکھتے اور اشاعت غم و تصنعِ الم و نوحہ زنی و ماتم کنی و دیگر امور شنیعہ و بدعات قبیحہ سے بچتے ۔ اس قدر میں بھی کوئی حرج نہ تھا ۔ مگر اب ایسی نقل میں بھی اہلِ بدعت سے ایک مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد (عقیدت مندوں) کے لیے ابتلائے بدعات (بدعات میں مبتلا ہونے) کا اندیشہ ہے اور حدیث میں آیا: ”اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ.“ (تہمت کی جگہوں سے بچو) اور وارد ہوا: ”مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَقِفُ مَوَاقِفَ التُّهَمِ.“ (جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ تہمت کی جگہوں پر کھڑا بھی نہ ہو ۔) لہٰذا روضۂ اقدس حضور سید الشہدا کی ایسی تصویر بھی نہ بنائے بلکہ صرف کاغذ کے صحیح نقشے پر قناعت کرے اور اسے بہ صد تبرک بے آمیزش منہیات (ممنوع کاموں کی آمیزش کے بغیر) اپنے پاس رکھے ، جس طرح حرمین محترمین سے کعبۂ معظمہ اور روضۂ عالیہ کے نقشے آتے ہیں ، یا دلائل الخیرات شریف میں قبور پرنور کے نقشے لکھے ہیں ۔“ (فتاویٰ رضویہ ، ج 2/9 ،ص:35-36 ،رضا اکیڈمی ،ممبئی)

عاشورہ کا روزہ: ماہ محرم خاص کر دسویں محرم میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں:

مسلمانوں کو ان ایام میں صدقات و خیرات ، مبرات و حسنات کی کثرت چاہیے ۔ خصوصاً روزے خصوصاً روز عاشورا کا کہ سال بھر کے روزوں کا ثواب اور ایک سالِ گزشتہ کے گناہوں کی معافی ہے ۔ کما ثبت فی الحدیث الصحیح ۔ (جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے) اور بہتر یہ ہے کہ نویں دسویں دونوں کا روزہ رکھے ۔

بقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : لَئِنْ عِشْتُ اِلىٰ قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ. (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی بنیاد پر کہ فرمایا: اگر میں آئندہ باحیات رہا تو ضرور نویں کو بھی روزہ رکھوں گا ۔)

صدقہ و ایصالِ ثواب: حضرت شہزادہ گلگوں قبا امام حسین شہید کربلا و دیگر شہدائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام پاک پر جس قدر ہو سکے تصدق و ایصال ثواب کریں بلکہ اُن روزوں وغیرہا تمام حسنات کا ثواب اسی جناب گردوں قباب کی نذر کریں ۔ گرمیوں میں ان کے نام پر شربت پلائیں ، جاڑے میں چائے پلائیں اور نیک نیت پاک مال سے شربت چائے کھانے کو جتنا چاہیں لذیذ و بیش قیمت کریں ، سب خیر (نیکی) ہے ۔ کھچڑا پلاؤ ، فرنی جو چاہیں اور بر وقت میسر ہو برادری میں بانٹیں محتاجوں کو کھلائیں ، اپنے گھر والوں کو کھلائیں ، نیک نیت سے سب ثواب ہے ۔

كما ثبت فى الاحاديث الصحاح حتى قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ما اطعمت نفسک فهولک صدقة. (جیسا کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ، جو تو اپنے کو کھلائے وہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے ۔)

رہا یہ کہ کھچڑا کہاں سے ثابت ہوا ، جہاں سے شادی کا پلاؤ ، دعوت کا زردہ ثابت ہوا ۔ یہ تخصیصات عرفیہ ہیں (یعنی قوموں میں معروف و مروج ہیں) نہ شرعیہ (یعنی خاص ان چیزوں کا شریعت نے حکم نہیں دیا مگر منع بھی نہ کیا) ہاں جو اسے شرعاً ضرور جانے وہ باطل پر ہے ۔

روٹیاں پکا کر تقسیم کرنا بھی خیر ہے ، مگر پھینکنا منع ہے اور ان کا پاؤں کے نیچے آنا یا ناپاک جگہ گرنا سخت شدید مواخذے کا موجب ہے ۔ ایک تو روٹی کی بے حرمتی جس کی تعظیم کا حدیث میں حکم فرمایا ، دوسرے نیاز کی چیز کی بے توقیری (بے ادبی) ۔

نیاز کی چیز معظم (قابل تعظیم) ہوتی ہے ۔ كما دل عليه حديث نفيس فى بهجة الاسرار. (جیسا کہ بہجۃ الاسرار کی ایک حدیث نفیس سے پتہ چلتا ہے ۔)

بے ادب وہابیوں کا کہنا کہ اس میں تو صدقہ کے سبب سے اور خباثت آ گئی ، ان کی قلبی خباثت ہے کہ محبوبانِ خدا کے نام سے انھیں عداوت ہے ۔

بہشتی بننا اگر بدعات سے خالی ہو اور محض نام و نقل نہ ہو بلکہ کام اور فعل ہو یعنی پانی بھر بھر کر مسلمانوں کو پلائیں ، وضو کرائیں ، تو ضرور اچھا کام ہے اور باعث اجر ہے اور اس کا ثواب بھی نذر شہدائے کرام ہو سکتا ہے ۔

اور **پیک بننا** نری نقالی اور بے ہودہ و بے معنی ہے ۔

اور **گھنٹے لٹکانا** حدیث میں منع فرمایا۔

یوں ہی **فقیر** بن کر بلاضرورت و مجبوری بھیک مانگنا حرام۔ کما نطقت به احادیث مستفیضة. (جیسا کہ احادیث مشہورہ بتاتی ہیں)۔ اور ایسوں کو دینا بھی حرام۔ لانه اعانة علی المعصية كما فی الدر المختار. (اس لیے کہ یہ گناہ پر مدد کرنا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے)۔

اور (پیک بننے کی) وہ منت مانی کہ دس برس تک ایسا کریں گے، سب مہمل و ممنوع ہے۔ قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لا نذر فی معصية. (گناہ کے کام میں نذر نہیں)۔

استمداد و استعانت: ہاں سیدنا امام عالی مقام علی جدہ الکریم ثم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے اپنی حاجت میں استمداد، استعانت، و طلب دعا و شفاعت جائز و محبوب۔ قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ. (اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ کنزالایمان، سورہ مائدہ: 35/5)

وقال اللہ تعالٰی (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا):

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ. (وہ مقبول بندے جنھیں یہ کافر پوجتے ہیں، وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ کنزالایمان، سورہ اسراء: 57/17)

دھنیا بنانے کھانے، بٹوؤں میں رکھ کر بیچوں، بھیجنے میں فی نفسہ کچھ خرچ نہ تھا مگر وہ مبنی (بنیاد) جس کی بنا پر یہ کیا جاتا ہے، شرعاً ناجائز ہے۔ اس کی اصل یوں ہے کہ پان کھانے کے عادی ہیں۔ محرم کے عشرہ میں سوگ کے خیال سے پان چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کی جگہ پر دھنیا ایجاد ہوا ہے۔ شریعت نے عورت کو شوہر کی موت پر چار مہینے دس دن سوگ کا حکم دیا ہے۔ اوروں کی موت کے تیسرے دن تک اجازت دی ہے۔ باقی حرام ہے اور ہر سال سوگ کی تجدید تو کسی کے لیے اصلاً حلال نہیں۔ پھر حقیقت دیکھیے تو دعوائے غم بھی جھوٹا۔ غم میں آدمی سے پان نہ کھایا جائے تو دھنیے کے یہ تکلفات کہ وقت میں اس سے سو جگہ زائد اور خرچ بھی زیادہ اور لذت بھی افزوں (بڑھ کر) یہ ضرور ہو سکیں گے۔

سبز سرخ کپڑے: یوں ہی عشرہ محرم کے سبز رنگے ہوئے کپڑے بھی ناجائز ہیں۔ یہ بھی سوگ کی غرض سے ہیں۔ سوگ میں اصل سیاہ لباس ہے، وہ تو رافضیوں نے لیا اور انھیں زیبا بھی تھا کہ ایک تو ان کے دلوں کی بھی یہی رنگت ہے، دوسرے یہ کہ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: الشيعة نساء هذه الامة. (شیعہ اس امت کی مادہ ہیں) سوگ و ماتم عورتوں ہی کو خوب آتے ہیں۔ ہمارے جاہل سنی بھائی سیاہی سے تو بچے کہ رافضیوں کی مشابہت نہ ہو مگر اس سے قریب تر رنگت سبزی پائی اسے اختیار کیا۔ سبزی جب گہری ہوگی سیاہی لے آئے گی، ہلکی سیاہی کو سبزی کہتے ہیں۔ آسمان نیلا ہے اسے عربی میں خضراء فارسی میں چرخ سبزہ فام کہتے ہیں اردو میں مسیں بھیگنے کو کہ اس وقت بالوں کی سیاہی خوب گہری نہیں ہوتی سبزہ آغاز کہتے ہیں۔ لہذا اس نیت سے یہ بھی ناجائز ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ عشرۂ مبارک میں تین رنگوں سے بچیں، سیاہ، سبز، سرخ۔ سیاہ و سبز کی وجہیں تو معلوم ہو گئیں اور سرخ آج کل ناصبی خبیث (خارجی) خوشی کی نیت سے پہنتے ہیں۔ سیاہ میں اودا، نیلا، کاسنی، سبز میں دھانی، کاہی، پستی، سرخ میں گلابی، نارنجی، عنابی۔ سب داخل ہیں۔ غرض جس پر ان میں کوئی رنگ صادق آئے، اگر سوگ یا خوشی کی نیت سے پہنے جب تو خود ہی حرام ہے، ورنہ ان کی مشابہت سے بچنا بہتر ہے۔

مرثیہ: یوں ہی مرثیے کہ رائج ہیں، سب حرام و ناجائز ہیں۔ حدیث میں ہے: نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المراثی. (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثیوں سے منع فرمایا)۔

ماتم: اور ماتم کرنا، چھاتی پیٹنا بھی حرام ہے۔ نطقت بتحريمه احاديث بالغة حد الاشتهار. (اس کی حرمت پر ایسی حدیثیں ناطق ہیں جو حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں۔

حَسّن، حُسّن بہ تشدید کہنا تو جہالت ہی تھا مگر ماتم سخت منع ہے۔

علم، تعزیے اور باجے وغیرہ: یوں ہی علم، تعزیے، تخت، جریدے، باجے، کھیل تماشے سب بے ہودہ و بدعت و ممنوع ہیں۔ یوں ہی تعزیہ چڑھاوا، امام باڑے کا مکان، اس کی نوبت، روشنی، آرائش سب بشرح صدر ہیں۔ (سب کا حکم حسب سابق ہے)

غم و الم کا نام اور لہو و لعب کی یہ دھوم دھام اور اس پر امید خوشنودی حضرت امام اور اس الٹی مت کا کیا ٹھکانا کہ یہ تو تعزیہ کی وہ تعظیم کہ گویا معاذ اللہ بعینہ یہی نعش مبارک حضور پرنور امام عالی مقام ہے، بلکہ اُس سے بھی زائد۔ یہاں تک کہ اسے سجدہ کرنے سے بھی باک نہیں۔ اور کہاں یہ حرکت کہ کہار، بیلدار وغیرہم کفار اسے اٹھائے پھریں اور اس پر پڑھا یہ جائے کہ "اے مومنو! اٹھاؤ جنازہ حسین کا"۔ استغفر اللہ.

پھر گلی کوچوں میں گشت، پھر توڑ تاڑ کر دبا دینا، کتنی شتر گربگی (بے تکاپن) ہے۔ پھر مصنوعی کربلا میں جسے حقیقی کے مثل ٹھہراتے ہیں کوئی دقیقہ لغویات و ممنوعات کا اٹھا نہیں رکھتے۔

کہاں امام عالی مقام کی طرف نسبت اور کہاں یہ سخت شنیع حرکت۔ کاش اللہ عز و جل ہمارے بھائیوں کو سمجھ دیتا کہ ہزاروں روپے جو یوں "نیکی برباد گناہ لازم" میں تباہ کرتے، انھیں حضرات شہیدان پاک کے نام پر تصدق کرتے، مساکین کو دیتے، جاڑے میں اون کے لحاف، رضائی، گرم کپڑے بناتے وغیرہ وغیرہ افعال حسنہ (نیک کام) کرتے تو کتنا بہتر ہوتا۔ اللہ ہدایت دے۔ آمین۔

(فتاوی رضویہ، ج: 9، قسط: 2، ص: 36-37، رضا اکیڈمی، ممبئی)

غم منانا اور مروجہ شہادت نامے پڑھنا: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے سوال ہوا کہ محفل میلاد شریف میں شہادت نامہ پڑھنا کیسا ہے، تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

شہادت نامے نظم یا نثر جو آج کل رائج ہیں اکثر روایات باطلہ اور بے سروپا سے مملو اور اکاذیب موضوعہ (گڑھے جھوٹوں) پر مشتمل ہیں۔ ایسے بیان کا پڑھنا، سننا، وہ شہادت نامہ ہو یا کچھ اور، مجلس میلاد میں ہو خواہ کہیں اور، مطلقاً حرام و ناجائز ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ بیان ایسے خرافات کو متضمن ہو جس سے عوام کے عقائد میں زلل (لغزش) آئے کہ پھر تو اور بھی زہر قاتل ہے۔ ایسے ہی وجوہ پر نظر فرما کر امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ وغیرہ ائمۂ کرام نے حکم فرمایا کہ شہادت نامہ پڑھنا حرام ہے۔

یوں ہی جب کہ اس سے مقصود غم پروری و تصنع حزن (غم کی بناوٹ) ہو تو یہ نیت بھی شرعاً نامحمود (ناپسندیدہ)۔ شرع مطہر نے غم میں صبر و تسلیم اور غم موجود کو حتی المقدور دل سے دور کرنے کا حکم دیا ہے، نہ کہ غم معدوم (وہ غم جو بروقت موجود نہ ہو) بہ تکلیف و زور لانا، نہ کہ بہ تصنع و زور بنانا، نہ کہ اسے باعث قربت و ثواب ٹھہرانا۔ یہ سب بدعات شنیعۂ روافض (رافضیوں کی بری ایجادات) ہیں، جن سے سنی کو احتراز (بچنا) لازم۔

حاشا اللہ! اس میں کوئی خوبی ہوتی تو حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اقدس کی غم پروری سب سے زیادہ اہم و ضروری ہوتی۔ دیکھو حضور اقدس صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلی آلہ کا ماہ ولادت و ماہ وفات وہی ماہ مبارک ربیع الاول شریف ہے، پھر علمائے امت و حامیان شریعت نے اسے ماتم وفات نہ ٹھہرایا، بلکہ موسم شادی ولادت اقدس بنایا۔

امام ممدوح (ابن حجر مکی) کتاب موصوف (الصواعق المحرقہ) میں فرماتے ہیں:

اياه ثم اياه ان يشغله (ای يوم عاشوراء) ببدع الرافضة و نحوهم من الندب و النياحة والحزن اذ ليس ذلك من اخلاق المؤمنين و الالكان يوم وفاته صلى الله تعالى عليه وسلم اولىٰ بذالك و احرىٰ.

(بچو بچو اس بات سے کہ عاشورا کے دن روافض وغیرہم کی بدعات میں کوئی مشغول ہو مثلاً چیخ پکار اور نوحہ و غم پروری میں مشغولیت اختیار ے، اس لیے کہ یہ مسلمانوں کے طریقے نہیں ورنہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وفات اس کے لیے زیادہ اولیٰ اور لائق ہوتا۔)

ایسے ہی ذکر شہادت کو امام حجۃ الاسلام وغیرہ علمائے کرام منع فرماتے ہیں۔ کما ذكره الامام ابن حجر المكی فی الصواعق المحرقة. (جیسا کہ امام ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں ذکر فرمایا)۔

ہاں اگر صحیح روایات بیان کی جائیں اور کوئی کلمہ کسی نبی یا ملک (فرشتہ) یا صحابی کی توہین شان کا مبالغۂ مدح وغیرہ میں مذکور نہ ہو، نہ وہاں نوحہ یا سینہ کوبی یا گریبان دری (گریبان پھاڑنا) یا ماتم یا تصنع یا تجدید غم وغیرہ ممنوعات شرعیہ ہوں، تو ذکر شریف فضائل و مناقب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بلا شبہہ موجب ثواب و نزول رحمت ہے۔ عند ذكر الصالحين تنزل الرحمة. (نیکوں کے ذکر کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے)۔

(فتاوی رضویہ 2/9، ص: 88-89)

مجالس محرم سے متعلق امام احمد رضا قدس سرہ مزید ارشاد فرماتے ہیں: عوام مجلس خواں اگر چہ بالفرض صرف روایات صحیحہ بر وجہ صحیح (ٹھیک ڈھنگ سے) پڑھیں بھی تاہم جو اُن کے حال سے آگاہ ہے خوب جانتا ہے ذکر شہادت شریف پڑھنے سے اُن کا مطلب ہی بہ تصنع رونا، بہ تکلف رُلانا اور اس رونے رُلانے سے رنگ جمانا ہے۔ اس کی شناعت (قباحت) میں کیا شبہ ہے۔ ہاں اگر خاص بہ نیت ذکر شریف حضرات اہل بیت طہارت صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدھم وعلیھم وبارک وسلم ان کے فضائل جلیلہ ومناقب جمیلہ، روایات صحیحہ سے بروجہ صحیح بیان کرتے اور اس کے ضمن میں ان کے فضل جلیل، صبر جمیل کے اظہار کو ذکر شہادت مبارک بھی آجاتا اور غم پروری وماتم انگیزی کے انداز سے کامل احتراز ہوتا تو اس میں حرج نہ تھا۔ مگر ہیہات ان کے اطوار، ان کے عادات اس نیت خیر سے یک سر جدا ہیں۔ ذکر فضائل شریف مقصود ہوتا تو کیا ان محبوبان خدا کی فضیلت صرف یہی شہادت تھی۔ بے شمار مناقب عظیمہ اللہ عز وجل نے انھیں عطا فرمائے۔ انھیں چھوڑ کر اسی کو اختیار کرنا اور اس میں طرح طرح سے بہ الفاظ رقت خیز ونوحہ نما معانی حزن انگیز وغم فزا بیان کو وسعتیں دینا انھیں مقاصد فاسدہ کی خبریں دے رہا ہے۔

غرض عوام کے لیے اس میں کوئی وجہ سالم (درست وجہ) نظر آنا سخت دشوار ہے۔ پھر مجلس میلاد اقدس تو عظیم شادی وخوشی و عید اکبر کی مجلس ہے۔ اذکارِ غم وماتم اس کے مناسب نہیں۔ فقیر اس میں ذکر وفات والا بھی جیسا کہ بعض عوام میں رائج ہے، پسند نہیں کرتا۔ حالاں کہ حضور کی حیات بھی ہمارے لیے خیر اور حضور کی وفات بھی ہمارے لیے خیر۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اس تحریر کے بعد علامہ محدث سیدی محمد طاہر فتنی قدس سرہ الشریف کی تصریح نظر فقیر سے گزری کہ انھوں نے بھی اس رائے فقیر کی موافقت فرمائی۔ والحمد للہ رب العلمین۔ آخر کتاب مستطاب مجمع بحار الافوار میں فرماتے ہیں:

شهر السرور والبهجة مظهر منبع الانوار والرحمة شهر ربيع الاول فانه شهر امرنا باظهار الحبور فيه كل عام فلا نكدره باسم الوفاة فانه يشبه تجديد الماتم و قد نصوا علىٰ كراهته كل عام فى سيدنا الحسين مع انه ليس له اصل فى امهات البلاد الاسلامية وقد تحاشوا عن اسمه فى اعراس الاولياء فكيف به فى سيد الاصفياء صلى الله تعالىٰ عليه وسلم.

یعنی ماہ مبارک ربیع الاول خوشی وشادمانی اور سرچشمۂ انوار و رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمان ظہور ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ ہر سال اس میں خوشی ظاہر کریں، تو ہم اسے وفات کے نام سے مکدر نہ کریں گے کہ یہ تجدید ماتم کے متشابہ ہے اور بے شک علما نے تصریح کی کہ ہر سال جو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماتم کیا جاتا ہے، مکروہ ہے۔ اور خاص اسلامی شہروں میں اس کی اصل نہیں اور اولیائے کرام کے عرسوں میں نام ماتم سے احتراز کرتے ہیں تو حضور پر نور سید الاصفیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملے میں اسے کیوں کر پسند کر سکتے ہیں۔

فالحمد لله علىٰ ما الهم والله سبحانه و تعالىٰ اعلم.

(فتاویٰ رضویہ، 2/9، ص: 62-63)

سبیل لگانا، کھانا کھلانا اور لنگر لٹانا: ایام عشرہ محرم الحرام شریف میں سبیل لگانے، کھانا کھلانے اور لنگر لٹانے سے متعلق سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں:

پانی یا شربت کی سبیل لگانا جب کہ بہ نیت محمود اور خالصاً لوجہ اللہ ثواب رسانی ارواحِ طیبہ ائمۂ اطہار مقصود ہو، بلا شبہہ بہتر و مستحب وکارِ ثواب ہے۔ حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا كثرت ذنوبك فاسق الماء على الماء تتناثر كما يتناثر الورق من الشجر فى الريح العاصف.

جب تیرے گناہ زیادہ ہو جائیں تو پانی پر پانی پلا، گناہ جھڑ جائیں گے، جیسے سخت آندھی میں پیڑ کے پتے۔ (رواه الخطيب عن انس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه)

اس طرح کھانا کھلانا، لنگر بانٹنا بھی مندوب و باعث اجر ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الله عز و جل يباهى ملائكته بالذين يطعمون الطعام عبيده.

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جو لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں، فرشتوں کے ساتھ مباہات فرماتا ہے (کہ دیکھو یہ کیسا اچھا کام کر رہے ہیں)۔ (رواه ابو الشيخ فى الثواب عن الحسن مرسلا)

لنگر لٹانا جسے کہتے ہیں کہ لوگ چھتوں پر بیٹھ کر روٹیاں پھینکتے

ہیں، کچھ ہاتھوں میں جاتی ہیں، کچھ زمین پر گرتی ہیں، پاؤں کے نیچے آتی ہیں، یہ منع ہے کہ اس میں رزق الٰہی کی بے تعظیمی ہے۔

بہت علمانے تو روپیوں پیسوں کا لٹانا جس طرح دُلھن دولھا کی نچھاور میں معمول ہے، منع فرمایا کہ روپیہ پیسہ کو اللہ عز وجل نے خلق کی حاجت روائی کے لیے بنایا ہے تو اسے پھینکنا نہ چاہیے۔ پھر روٹی کا پھینکنا تو سخت بے ہودہ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ 1/9، ص: 88)

تعزیہ کی مٹھائی: تعزیہ پر یا اس سے قریب رکھ کر جس مٹھائی وغیرہ پر فاتحہ دی جاتی ہے اس کے متعلق صحیح مسئلہ بیان کرتے ہوئے امام اہل سنت ارشاد فرماتے ہیں:

تعزیہ پر جو مٹھائی چڑھائی جاتی ہے، اگر چہ حرام نہیں ہو جاتی مگر اس کے کھانے میں جاہلوں کی نظر میں ایک امر ناجائز شرعی کی وقعت بڑھانی اور اس کے ترک میں اس سے نفرت دلانی ہے۔ لہٰذا نہ کھائی جائے۔ (فتاویٰ رضویہ 2/9، ص: 189)

یعنی محض تعزیہ کے پاس رکھ دینے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی کہ اصل مقصود ایصال ثواب ہی ہے۔ ہاں اس میں جہلا کے عمل کی حوصلہ افزائی ہے اور شرعاً تعزیہ کے پاس لے جانے کی کوئی حاجت بھی نہیں اور مروجہ تعزیہ ناجائز بھی ہے۔ لہٰذا ان وجوہ سے بچنا ہی چاہیے تا کہ اس غلط رسم کا رد بھی ہو جائے اور اسے فروغ بھی نہ ملے۔

ایک دوسرے فتوے میں اعلیٰ حضرت مزید ارشاد فرماتے ہیں:

واقعی حضرت امام کے نام پاک کی نیاز کھانی چاہیے، اور تعزیہ کا چڑھایا ہوا کھانا نہ چاہیے۔

اور فرماتے ہیں: تعزیہ پر چڑھانے سے حضرت امام رضی اللہ عنہ کی نیاز نہیں ہو جاتی اور اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر نیاز دلائیں تو اس کے کھانے سے احتراز (پرہیز) چاہیے۔

اور جو اس کو حرام کہتا ہے اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تعزیہ کا چڑھاوا کھانا ان وجوہ (اسباب) سے جو ہم نے ذکر کیں مکروہ ناپسند ضرور ہے، مگر حرام کہنا غلط ہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں اس بکرے کی نسبت جو ہندو نے اپنے بت کے نام مسلمان سے ذبح کرایا اور مسلمان نے اللہ عز وجل کے لیے تکبیر کہہ کر ذبح کر دیا، تصریح فرمائی ہے کہ حلال ہے۔ **ويكره للمسلم.** مسلمان کے لیے مکروہ ہے۔ جب وہاں صرف کراہت کا حکم ہے تو یہاں تحریم (حرام قرار دینا) کیوں کر۔ (فتاویٰ رضویہ 1/9، ص: 219)

یزید اور یزیدیوں کا حکم: یزیدیوں اور اس کے ہم راہیوں کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

ہم راہیانِ یزید یعنی جو اس کے ممد ومعاون تھے ضرور خبیث و مردود تھے اور کافر وملعون کہنے میں اختلاف ہے۔ ہمارے امام (اعظم) کا مذہب سکوت ہے۔ اور جو کہے وہ بھی موردِ الزام نہیں کہ یہ بھی امام احمد وغیرہ بعض ائمۂ اہل سنت کا مذہب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ 2/9، ص: 273)

روافض کی مجالس میں شرکت: سوال ہوا کہ شیعہ کی مجلس مرثیہ خوانی میں اہل سنت و جماعت کو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟ تو امام اہل سنت نے جواب میں ارشاد فرمایا:

(شیعہ کی مجلس مرثیہ خوانی میں شرکت) حرام ہے۔ حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من كثر سواء قوم فهو منهم. (جو کسی قوم کا جتھا بڑھائے وہ انھیں میں ہے)

وہ بد زبان ناپاک لوگ اکثر تبرا بک جاتے ہیں، اس طرح کہ جاہل سننے والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی ...... ایسی جگہ جانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. (تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھ۔ کنز الایمان، الانعام 68/6) (فتاویٰ رضویہ، ج: 1/9 ص: 176، 224)

ہمارے بہت سے سنی بھائی رافضیوں کی مجالس میں چلے جاتے ہیں ان کو اس فتوے سے درس لینا چاہیے کہ جس مجلس میں صحابۂ کرام کے بارے میں تبرا بکا جائے اس میں جانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اور بھی بہت سے غلط عقائد وہ بیان کر جاتے ہیں بلکہ ائمۂ کرام کو معصوم بتاتے ہیں، بعض ائمۂ کرام کو انبیا پر ترجیح دیتے ہیں، لہٰذا یقیناً ان روافض کی مجالس سے پرہیز ضروری ہے۔

یہ محرم الحرام کے مبارک ماہ میں بدعات وخرافات کے خلاف امام احمد رضا قادری بریلوی کا قلمی جہاد ہے۔ اسے وہ لوگ بھی پڑھیں اور حقیقت کا اعتراف کریں جو امام احمد رضا قدس سرہ کے بارے میں غلط فہمیوں کے شکار ہیں اور اس مجدد برحق کے خلاف غلط پروپیگنڈے بھی کرتے پھر رہے ہیں۔ کیسی سچی، سیدھی باتیں اس امام برحق نے کہی ہیں، ان کو بار بار پڑھنا چاہیے اور اس کے مطابق عمل بھی کرنا چاہیے۔

☆☆☆

اقوام متحدہ اسرائیل کا سیاسی کھلونا

محمد طفیل احمد رضوی

مذہبی بالادستی، نسلی امتیاز، کم زور اقوام پر اپنی تہذیبی و ثقافتی روایات کے نفاذ اور توسیع پسندانہ عزائم کے تحت دنیا کے اندر بے شمار جنگیں لڑی گئیں۔ اس طرح کی خوں چکاں داستان اور درد انگیز واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ لیکن پہلی اور دوسری جنگ عظیم اس وجہ سے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کی ہول ناکیوں اور جنگ کے نتیجے میں وقوع پذیر انسانی اقدار کی پامالی دیکھ کر پوری عالمی برادری پر سکتے کی کیفیت طاری ہوگئی۔

پہلی جنگ عظیم 1914ء تا نومبر 1918ء لڑی گئی، جس میں جرمنی، ترکی، آسٹریا، ہنگری اور پروشیا ایک طرف تھے، جب کہ فریق مخالف کی حیثیت سے امریکہ، فرانس، روس، جاپان، کناڈا آسٹریلیا اور بلجیم اتحادی کردار ادا کر رہے تھے۔

دوسری جنگ عظم کا سلسلہ 1939ء سے 1945ء تک جاری رہا۔ اس میں مقابلہ براہ راست ہٹلر کی نازی افواج اور برطانیہ کے اتحادی ممالک کے درمیان رہا۔ امن عالم کو پارہ پارہ اور انسانی سکون کو غارت کر دینے والی ان دو جنگوں نے دانش ورانِ عالم کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، ایک ایسی بین الاقوامی تنظیم ضرور تشکیل دی جائے جس کے پلیٹ فارم سے قیام امن کی راہیں ہموار ہوں اور آئندہ دنیا کو اس طرح کی تباہ کن جنگی لعنت سے بچایا جائے۔ چناں چہ عالمی رہ نماؤں کی مشترکہ کوششوں سے 24/ اکتوبر 1945ء میں مشہور بین الاقوامی ادارہ ''اقوام متحدہ'' (U.N.O.) کا قیام عمل میں آیا۔

ابتداءً اس کے چارٹر پر دستخط کرنے والے 91/ ممالک تھے۔ ابھی فی الحال اس تنظیم کے رکن ممالک کی تعداد تقریباً ایک سو نوے ہے۔ مرکزی دفتر نیویارک امریکہ میں ہے۔ اس ادارے کے اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) تحفظ ریاست (2) عدل و انصاف کا قیام (3) فلاح و بہبود (4) انسانی حقوق کی پاس داری (5) عالمی تنازعات کو باہمی مذاکرات کے ذریعہ حل کرنا وغیرہ وغیرہ۔

ادیان و مذاہب کی تاریخ میں یہودی وہ واحد ازلی بد بخت قوم ہے جس کی سرشت میں خدائی احکام و تعلیمات کی خلاف ورزی، بغض و حسد، دجل و فریب، انبیا علیہم السلام کی تکذیب اور جبر و تشدد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ امتداد زمانہ اور مرور ایام کے ساتھ بجائے اس کے کہ ان کی عادات رذیلہ میں کمی آئے مزید اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ دین اسلام کے بڑھتے سیلاب کو روکنا، مسلم دل آزاری، ارض فلسطین پر ناجائز قبضہ اس ظالم قوم کے بنیادی اہداف میں شامل ہے۔

دورِ حاضر میں ''یہودیت'' اپنی بے پناہ مادی و عسکری قوتوں کے بل بوتے امن عالم کو پارہ پارہ کرنے پر تلی ہوئی ہے، اور برسوں پر محیط اپنی لمبی پلاننگ اور در پردہ منظم سازش کے تحت بڑی عیاری اور تیز گامی سے اپنے مقاصد کے حصول میں منہمک ہے۔

عالم عرب میں قیام اسرائیل کی پر پیچ راہوں کو ہموار کرنے میں اہل یہود نے اپنی تمام تر مادی و ذہنی توانائیاں صرف کر دیں۔ پہلے انھوں نے سلطان ترکی سے مذاکرات کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنا چاہا۔ جب عثمانی قیادت کے مرد بیمار لیکن دینی حمیت سے سرشار سلطان عبد الحمید نے اپنا دوٹوک فیصلہ سنا کر قلب فلسطین میں قیام اسرائیل کی صیہونی پیش کش کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا تو یہ لوگ اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے کے بجائے سیدھے حکومت برطانیہ کے قدموں سے لپٹ گئے۔ بڑی منت سماجت اور مالی و اقتصادی امداد کی یقین دہانی کر کے بالآخر برٹش حکومت کو اس بات پر آمادہ کر کے ہی دم لیا کہ وہ ارض فلسطین میں خالص یہودی ریاست ''اسرائیل'' کے قیام کی پر زور حمایت و وکالت کرے۔ چناں چہ دوسری جنگ کے اختتام پر برطانیہ نے اس معاملہ کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں پیش کر دیا۔ اس غیر منصفانہ اقدام میں امریکہ ہر طرح سے برطانیہ کے موقف کی تائید کر رہا تھا کیوں کہ یہودی اہل کاروں نے پہلے ہی

سے امریکہ کو اپنا ہم نوا بنا لیا تھا۔

بہر کیف اس قضیہ کو لے کر اقوام متحدہ میں کس نوعیت کی گرما گرم بحثیں ہوئیں اور کس طرح امریکہ نے اپنی چودھراہٹ سے کم زور ممالک کو جبراً اسرائیل کی حمایت میں ووٹ ڈلوایا، ان تفصیلات میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں، اہل نظر اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں۔

تقسیم فلسطین اور قیام اسرائیل کے حوالے سے .U.N.O کا یہ غیر منصفانہ کردار بھی ملاحظہ کرتے چلیں کہ تقسیم کے وقت فلسطین کی مجموعی آراضی کا 55/ فی صد رقبہ، 35/ فی صد یہودیوں کو دیا گیا، جب کہ اس زمین پر برسوں سے آباد اہل فلسطین کو 45/ فی صد اراضی دی گئی۔ حالاں کہ فلسطینیوں کی تعداد 65/ فی صد تھی۔ یہ تھا اقوام متحدہ کا انصاف۔

خیر جو کچھ ہوا ایک منظم سازش اور سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا، لیکن اتنا تو طے ہے کہ یہ اقوام متحدہ کی بہت بڑی ناانصافی اور سیاسی بھول تھی کہ اس نے فلسطین۔ اسرائیل تقسیم پلان کے وقت خصوصی رعایت دے کر اسرائیل جیسے ظالم و جارح ملک کو اس درجہ جری اور شیر دل بنا دیا کہ اب وہ عالمی قوانین کی دھجیاں بکھیر کر دہشت گردانہ رویہ اپنانے میں ذرہ برابر جھجھک محسوس نہیں کرتا اور اقوام متحدہ کی ہدایات و قوانین کو بازیچۂ اطفال سمجھ کر پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اسرائیل کے ہاتھوں اقوام متحدہ کا عالمی وقار خاک میں مل چکا ہے۔ اسرائیلی پارلیمنٹ اب تک سکیورٹی کونسل کی پچاس سے زائد قراردادوں کی مخالفت کر چکی ہے۔ مگر افسوس ہے عالمی برادری پر کہ ان تمام صورت حال سے آگاہ ہونے کے باوجود خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ عربوں سے متعلق چھوٹی موٹی باتوں پر شدید نکتہ چینی کرنے والے رکن ممالک آخر اسرائیل کی ناجائز پالیسیوں پر مہر بلب کیوں ہیں؟؟

1949ء میں .U.N.O کی ممبر شپ قبول کرتے وقت اسرائیل نے کھلے لفظوں میں یہ اعتراف کیا کہ ''وہ ہرگز کوئی ایسی پالیسی اختیار نہیں کرے گا جو جنرل اسمبلی یا سکیورٹی کونسل کی قرار دادوں سے متصادم ہو۔'' مگر واہ رے ترے وعدے! آج اسرائیل اپنے تمام وعدوں سے منحرف ہو کر سکیورٹی کونسل کے اصول اور قراردادوں کی خلاف ورزی کر کے پوری دنیا بالخصوص عالمِ عرب میں دندناتا پھرتا ہے۔ کبھی مصر پر حملہ کرتا ہے، تو کبھی لبنان پر بمباری کرتا ہے، کبھی ملک شام کو آنکھیں دکھاتا ہے تو کبھی ایران پر غراتا ہے۔ اسرائیل کے زمانۂ قیام ہی سے فلسطین کے مسلمان صیہونی بربریت کے شکار ہیں۔ لاکھوں افراد زخمی، ہزاروں لقمۂ اجل اور ان گنت فلسطینی پناہ گزین کیمپوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

اقوام متحدہ بارہا اسرائیل کو وارننگ دے کر اس کی انسانیت سوز پالیسیوں پر صدائے احتجاج بلند کرتا رہا ہے، لیکن اسرائیل ایک نہیں مانتا اور حسب معمول اپنی اربابی کارروائیاں جاری رکھتا ہے۔ اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل میں جتنی بار شدید نکتہ چینی اسرائیل کے خلاف ہوئی ہے، اتنی بار آج تک کسی اور ملک کی نہیں ہوئی ہے۔ لیکن امریکہ ہر بار اپنی سیاسی اولاد کی پشت پناہی کر کے اسرائیلی پالیسیوں پر کوئی آنچ نہیں آنے دیتا ہے۔ یہاں تک کہ 1983ء میں امریکہ نے یہاں تک دھمکی دے ڈالی کہ ''اگر اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد نہ کرنے کی بنیاد پر اسرائیل کو خارج کیا گیا تو وہ بھی جنرل اسمبلی سے قطع تعلق کر لے گا۔'' (اسرائیل کی دیدہ و دانستہ فریب کاریاں، ص: ۱۹۹)

گویا یہ دھمکی نہیں بلکہ اقوام متحدہ کا امریکی و اسرائیل کٹھ پتلی ادارہ ہونے کا استعاراتی بیان تھا، جس سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ آج یہ ادارہ استعماری قوتوں کے سامنے کس درجہ بے بس اور مجبور ہے۔

اسرائیل اس تنظیم کے وقار کو مجروح کرنے میں امریکہ سے بھی دو قدم آگے ہے۔ چناں چہ اسرائیل کا کہنا ہے کہ ''اقوام متحدہ تو گویا ایک مسجد بن چکی ہے جہاں سے اسرائیل کی حاکمیت اعلیٰ اور بقا کے خلاف آواز بلند ہو رہی ہے۔'' (ایضاً، ص:199)

اسی طرح صیہونی اہل کاروں کا ماننا ہے کہ ''عرب اسرائیل تنازعہ کے حل کرنے میں .U.N.O کے کسی مفید رول ادا کرنے میں ہمیں شک ہے۔'' (ایضاً، ص:200)

باقی ص:54 پر

ہندستان میں دہشت گردی

بے لاگ تجزیہ

''بزمِ دانش'' میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو آواز دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ **از: مبارک حسین مصباحی**

فروری 2009ء کا عنوان — فتنۂ قادیانیت اور داعیانِ اسلام کی ذمہ داریاں

مارچ 2009ء کا عنوان — کیا دہشت گردی کی بنیاد فرقہ پرستی ہے؟

دہشت گردی کے خاتمے کے لیے فرقہ پرستی کو مٹانا ہوگا

پورا ہندستان دہشت گردی اور فرقہ پرستی کی آگ میں جھلس رہا ہے۔دہشت گردی کا لفظ ایک اصطلاح بن چکا ہے جسے کسی بھی صورت میں مسلمانوں کے ساتھ خاص کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں رچی جا رہی ہیں۔جھوٹ دغا اور فریب کا سہارا لے کر مسلمانوں کے قانونی تشخصی حقوق سلب کیے جا رہے ہیں۔یہ سارا کھیل مسلمانوں کی ذہنی و فکری توانائی کو مردہ کرنے اور ان کے جذبات کو کچلنے اور لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کے لیے کھیلا جا رہا ہے۔

ہندستان میں آئے دن دہشت گردی کے واقعات، بم بلاسٹ اور دیگر صورتوں میں رونما ہوتے رہتے ہیں بلکہ ہندستان میں دیگر ممالک کی بہ نسبت کچھ زیادہ یہ انسانیت سوز کارنامے انجام دیے جا رہے ہیں۔دہشت گردی کا عمل، قتل و غارت گری، فتنہ و فساد، تخریب کاری، اشتعال انگیزی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔لیکن یہ عجیب المیہ ہے کہ دہشت گردی کے انسداد کے نام پر صرف مسلمانوں ہی کو پریشان و ہراساں کیا جاتا ہے۔مسلم نوجوانوں کی گرفتاریاں اور فرضی انکاؤنٹر بڑی تیزی کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ستمبر 2008ء کے دہلی بم دھماکے کے بعد پولیس کی بے جا کارروائیاں اور بے گناہوں کی گرفتاری اس کا روشن ثبوت ہے۔دہشت گردی جہاں کہیں بھی ہو، باعث شرم اور تشویش ناک ہے، مگر صرف مخصوص طبقہ کو خوف زدہ اور ہراساں کرنا اس سے بھی زیادہ افسوس ناک جرم ہے۔ادھر پانچ چھ سال میں ٹرینوں اور عوامی مقامات پر مختلف بم دھماکے ہوئے جن میں چند اہم یہ ہیں:

18/اگست 2002ء کو یوپی میں ''شرم جیوی ایکس پریس'' میں بم دھماکہ ہوا، جس میں 12/افراد ہلاک اور 24/زخمی ہوئے۔احمد آباد میں اس کے تقریباً ایک ماہ بعد 24/اگست 2002ء کو ''اکشر دھام ایکس پریس'' میں بم دھماکہ ہوا جس میں 34/ہلاک ہوئے اور 40/زخمی قرار دیے گئے۔13/مارچ 2003ء کو ممبئی کی لوکل ٹرینوں میں بم بلاسٹ ہوئے جس میں ایک ہلاک 70/زخمی ہوئے۔کولکاتا میں 22/جنوری 2002ء کو امریکی انفارمیشن سینٹر پر بم حملہ ہوا، اس میں 5/پولیس اہل کار ہلاک ہوئے۔29/اکتوبر 2005ء کو دہلی کے سلسلہ وار تین دھماکوں میں 70/افراد ہلاک اور 100/زخمی ہوئے۔18/فروری 2007ء کو سمجھوتا ایکسپریس میں بم دھماکہ ہوا جس میں کافی

جانی و مالی نقصان ہوا۔مگر ان سب وقعات کا تار کسی نہ کسی طرح مسلمانوں سے جوڑ دیا گیا اور اصل مجرم آزاد گھوم رہے ہیں۔اس طرح کے بیسیوں واقعات گزشتہ ایک دہائی میں ہو چکے ہیں۔آخر ہندستان جیسے گنگا جمنی تہذیب والے جمہوری ملک میں دہشت گردی کا بازار اس قدر کیوں گرم ہے، حکومت کے اربابِ بست و کشاد نے کبھی سنجیدگی سے اس پر غور کرنے کی کوشش کی؟ اس سنگین مسئلہ کے حل کے لیے نہ عدلیہ فکر کرتی ہے اور نہ انتظامیہ پروا کرتی ہے۔حادثات کے رونما ہونے کے بعد اس پر واویلا مچایا جاتا ہے۔اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور غیر جانب داری کے ساتھ ان معاملات کی نبض ٹٹولی جائے تو سیاسی امور کے اربابِ حل و عقد ہی ننگے نظر آئیں گے یا ان کی انگلیوں کے اشارے پر ناچنے والا محکمہ پولیس بے نقاب ہو جائے گا۔

بھیونڈی فساد کے جسٹس ڈی. پی. مدن کمیشن کی انکوائری کے تحت فرقہ وارانہ جذبات بھڑکانے اور اشتعال انگیزی کے الزام میں بہت سے سیاسی سفید پوشوں کے چہرے بے نقاب ہوئے، جن میں اہم یہ ہیں، زمبر لال کلانتری کانگریس ایم ایل سی، جن سنگھ کے صدر بی. پی. ویاس، آر ایس ایس کے لیڈر بالا صاحب جوگلیکر بھائی پٹیل، ایم ایل سی بلی رام مہادیو صدر شیوسینا بھیونڈی، شیوسینا کے صدر بال ٹھاکرے وغیرہ۔

خدانخواستہ اگر کسی واقعے میں مسلمان کا نام آ جاتا ہے تو سارا محکمہ امن و آشتی اور صلح کے نام پر اڑنے لگتا ہے لیکن اگر کوئی ہندو یا ہندو تنظیم کی شمولیت نظر آئے تو سب کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔حال ہی میں ناگ پور میں 22/اگست 2008ء کو بابا رام دیو انجینئرنگ کالج کے ایک اٹھارہ سالہ طالب سیمو جیت ٹھاکرے نے شراب کے نشہ میں آر ڈی ایکس، بم بنانے کا راز فاش کر دیا۔دل چسپ بات یہ ہے کہ مذکورہ طالب علم نے ناگ پور کے بھونسلے ملٹری اسکول میں بھی تعلیم حاصل کی۔مگر اتنے سنگین جرم کے اعتراف کے باوجود پولیس اسے دماغی مریض قرار دے کر رہا کرنے کے چکر میں ہے۔

کان پور میں 24/اگست 2008ء کو بجرنگ دل کے ایک لیڈر سمیت تین لوگ اس وقت ہلاک ہو گئے جب وہ بم بنانے میں منہمک تھے۔دھماکہ اتنا زبردست تھا کہ کمرے کے پلاسٹر تک اجڑ گئے تھے۔تہواروں کی آمد کے موقعوں پر وسیع پیمانے پر تباہی اور بدامنی پھیلانے کا پلان تھا جس کا مورد الزام مسلمانوں کو ٹھہرایا جاتا لیکن اس سے قبل ہی بم دھماکے نے اس پلاننگ کی بخیہ ادھیڑ دی۔

ناندیڑ، پربھنی، جالنا، مالے گاؤں بم دھماکوں میں آر ایس ایس کی ذیلی تنظیموں، بجرنگ دل، ابھینو بھارت وغیرہ کے شامل ہونے کے الزامات ہیں۔سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر، امبیکا نند سرسوتی، کرنل پروہت کی گرفتاری ہوئی اور انھوں نے اقبال جرم بھی کیا، ان کی دہشت گردی کا نیٹ ورک بھی منظر عام پر آنے کے قریب تھا مگر سب سے بڑی دھاندلی اور دہشت گردی کی واردات اس وقت ہوئی جب ہوٹل تاج محل ممبئی پر 26/نومبر 2008ء کو دہشت گردانہ کارروائی کے بہانے بڑی صفائی کے ساتھ ایک جاں باز، انصاف پسند پولیس افسر ہیمنت کرکرے کو مار کر راستہ صاف کر دیا گیا، جو ان سیاسی بازی گروں کی پھیلائی ہوئی دہشت گردی اور فرقہ پرستی کے جال کے تار و پود بکھیرنے کے درپے تھا۔مالے گاؤں بم سانحہ کی تحقیقات کے دوران کیرل میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ان شبہات کی تصدیق بھی ہوتی ہے کہ یہ سیاسی سٹے باز نہ صرف بم کے دھماکے میں ملوث ہیں بلکہ بم دھماکوں کی ٹریننگ کے ساتھ بم سازی میں بھی سرگرم ہیں۔10/نومبر 2008ء کو کیرالا کے ضلع کنور میں ایک بم دھماکے کے دوران آر ایس ایس کے دو کارکن ہلاک ہو گئے۔روز نامہ راشٹریہ سہارا کے مطابق پولیس نے مرنے والوں کی شناخت کے پردیپ اور کے. دلیپ کے طور پر کی۔پولیس کو شبہہ ہے کہ یہ دھماکا اس وقت ہوا، جب یہ دونوں بم بنا رہے تھے۔ان میں اول الذکر ایک بم دھماکا سے متعلق معاملے میں چھٹا ملزم تھا۔حد تو یہ ہے کہ فوج میں بھی ایسے عناصر پل رہے ہیں جو ہندستان کے آئین اور اس کی جمہوریت کے لیے ننگ و عار ہیں۔مذکورہ مالیگاؤں بم دھماکے میں فوجی کرنل پروہت کا بھی ہاتھ تھا، بلکہ تحقیقات کے مطابق سمجھوتا ایکس پریس میں زبردست بم دھماکہ میں بھی اس کا لمبا ہاتھ تھا۔اس نے ساٹھ کلو آر ڈی ایکس سرکاری طور پر حاصل کر کے غیر قانونی طور پر تباہی پھیلانے کے لیے استعمال کیا۔اس سے زیادہ دل چسپ بات یہ ہے کہ وشو ہندو پریشد کے عالمی سکریٹری پروین توگڑیا کے خلاف بھی ممبئی اے ٹی ایس نے ہیمنت کرکرے کی سربراہی میں پختہ ثبوت اکٹھا کر رہے تھے مگر ادھر سے توجہ ہٹانے کے لیے اس جاں باز پولیس افسر کا صفایا کر دیا گیا۔ان سب ثبوتوں کے باوجود ان مجرموں پر کوئی صحیح، مناسب کارروائی نہیں ہو رہی ہے۔اگر بد قسمتی سے کسی مسلمان کا نام اس میں آ جاتا تو عدلیہ سے لے کر انتظامیہ

تک سب متحرک اور فعال ہو جاتے۔ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے فرقہ پرستی کو ہوا دینے والے سیاسی سٹے بازوں نے یہ منطقی اصطلاح رائج کی ہے کہ ''سارے مسلمان دہشت گرد نہیں پر سارے دہشت گرد مسلمان ہیں۔'' اسلامی دہشت گردی، انڈین مجاہدین کا ٹائٹل اسی سازش کا حصہ ہے۔ 6/دسمبر 1992ء کو اجودھیا یو. پی. میں دہشت گردی کی واردات اس وقت انجام دی گئی جب کہ حکومت اور سیکورٹی کے ساتھ فرقہ پرستوں نے تہذیب وتمدن اور انسانیت کی دھجیاں اڑاتے ہوئے صدیوں پرانی بابری مسجد کو شہید کر دیا۔ لیکن ان دہشت گردوں کے لیے کارسیوک (رضا کار) جیسے مہذب ٹائٹل کا انتخاب کیا گیا۔ شاید ہندستانی آئین میں یہ دہشت گردی نہیں ہے۔

ان انسانیت سوز دہشت گردی کے واقعات میں بیرونی طاقتیں بھی شامل ہیں، ہندستانی سیاسی سٹے بازوں اور بیرونی اسلام دشمن عناصر کی ملی بھگت سے یہ ناپاک کھیل کھیلے جا رہے ہیں۔ آج پوری دنیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سر جوڑ سازشیں کرنے میں لگی ہے۔ دہشت گردی، بدامنی کے واقعات کے بعد کسی خود ساختہ مسلم تنظیم سے اس کا ناتا جوڑ دیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو خوف زدہ کیا جاتا ہے۔ آخر یہ گھنونا کھیل کب تک کھیلا جائے گا۔ ہندستان کی جمہوریت اور اس کے آئین کے لیے فرقہ پرستی اور بدامنی بدنما داغ ہے۔ آج کے فسادات اور بدامنی کی بڑھتی ہوئی تعداد فرقہ پرستی اور تعصب کے شاخسانے ہیں، دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے فرقہ پرستی کو مٹانا از حد ضروری ہے۔ فرقہ پرست طاقتیں مسلمانوں کے خلاف زہر افشانیاں کرتی رہی ہیں، مگر کسی بھی پارٹی کی حکومت ہو اس پر ایکشن لینے کی زحمت نہیں کرتی، جس ملک کے سیاسی رہنما ہی تنگ نظری کے شکار ہوں وہاں سے فرقہ پراستی کا خاتمہ کیوں کر ممکن ہے؟

از: محمد شہاب الدین مصباحی، پنیرا، مہراج گنج، یوپی.

مجھے رہ زنوں سے غرض نہیں تری رہ بری کا سوال ہے

عالمی منظر نامے میں ہندستان کو سب سے بڑی جمہوریت ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ جمہوریت کی پائیدار اور مستحکم روایتوں کے سبب یہاں کوئی بھی طاقت کبھی مطلق العنان نہیں بن سکی۔ یہی وہ غیر معمولی خصوصیت ہے جو وطن عزیز کو دیگر جمہوریتوں سے ممتاز کرتی ہے۔ جمہوریت کی عمارت عدل وانصاف، مساوات وبرابری اور آپسی میل محبت کی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ یہ چیزیں ہندستانی تہذیب وثقافت کا ہر دور میں حصہ رہی ہیں۔ لیکن جنت نشاں ہندستان اس وقت بہت نازک دور سے گزر رہا ہے۔ ایک طرف جہاں سیاسی بحران کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے تو دوسری طرف پے در پے دہشت گردانہ کارروائیوں نے ملک کے مستقبل کو چیلنج کر دیا ہے۔ حالیہ ممبئی سانحہ اور اس سے قبل دہلی کے سلسلہ وار بم دھماکے، مکہ مسجد کے بے قصور انسانوں کی تباہی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ یقیناً ان دہشت گردانہ کارروئیوں کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان دہشت گردانہ کارروائیوں کے اسباب وعوامل کیا ہیں؟ ان پر قابو کیوں نہیں پایا جا رہا ہے؟ کیا ہندستان کا دفاعی نظام اس قدر رختہ اور غیر موثر ہو چکا ہے؟ یا پھر اس کے لیے خاطر خواہ اقدامات ہی نہیں کیے جاتے؟ اصل ملزمین کی شناخت کیوں نہیں ہو پا رہی ہے؟ ملک کی تحقیقاتی اور تفتیشی کمیٹیاں ناکام کیوں ہو رہی ہیں؟ ملک کی اس تشویش ناک صورت حال سے نمٹنے کے لیے موثر لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ہر ذی ہوش ہندستانی کے ذہن ودماغ میں گردش کرتے ہیں۔

ہندستان بڑی تیزی سے ترقی کرتا ہوا ملک ہے، معاشی واقتصادی اعتبار سے بھی مستحکم ومضبوط ملک کی حیثیت سے متعارف ہونے لگا ہے، دفاعی نظام بھی مضبوط ہے۔ متعدد تحقیقاتی وتفتیشی جماعتیں بھی موجود ہیں، پھر بھی دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث افراد کے خلاف تحقیقات ناکام ہو رہی ہیں...... ع: کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

صحیح معنوں میں ہندستانی حکومت نے اب تک ملک میں وقوع پذیر دہشت گردانہ کارروائیوں کی منصفانہ اور غیر جانب دارانہ تفتیش کرائی ہی نہیں، یوں تو ہر حادثہ کے بعد ایک عدد تحقیقاتی کمیشن اور تفتیشی ٹیم وجود میں آجاتی ہے، لیکن ان ٹیموں کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے تو ان کی ساری تحقیقات ایک مخصوص طبقے کے خلاف نظر آتی ہیں۔ ان تحقیقات کا محور یہی ہوتا ہے کہ کسی طرح ان دہشت گردانہ کارروائیوں کا رشتہ ایک مخصوص طبقے سے جوڑ دیا جائے۔ پھر ان کی ساری تحقیقات اسی محور پر گردش کرنے لگتی ہیں بلکہ اب تو تحقیقات سے قبل واردات کے چند منٹوں

بعد ہی اس کی ساری ذمہ داری کسی مسلم جہادی تنظیم کے سر منڈھ دی جاتی ہے اور پھر تحقیقات کا رخ بھی اسی طرف ہوتا ہے۔ بلاشبہ اس طرز عمل سے نہ تو ہندستان سے دہشت گردانہ سرگرمیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی ملک کی سالمیت اور تعمیر وترقی کی طرف کوئی پیش رفت۔

یکم جنوری 2008ء کی نصف شب میں جب کہ پورا ملک نئے سال کی آمد کا جشن منانے میں مصروف تھا، ان ہی اوقات میں مبینہ طور پر دہشت گردوں نے ہندستان کے تاریخی اور مسلم ثقافتی شہر رام پور کے سینٹرل ریزرو پولیس فورس کیمپ کو دہشت گردوں نے اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا۔ خون خرابے ہوئے، بے قصور جانیں گئیں اور آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ حملہ کس نے کیا تھا؟ حالاں کہ سب سے پہلے الزام جہادی تنظیموں پر لگایا گیا تھا۔ اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اپنی جوان بیٹی کے قدم بہکنے پر پڑوسی کے لڑکے کو اس کا ذمے دار بتانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہندستان کے بیش تر دہشت گردانہ حملوں کا بھی یہی حال ہے۔

26/نومبر 2008ء کو ملک کی اقتصادی راج دھانی ممبئی پر بدترین دہشت گردانہ حملے ہوئے جس میں سیکڑوں افراد ہلاک، ہزاروں زخمی اور کروڑوں کی املاک تباہ ہوئی۔ عروس البلاد کے لینڈ مارک کہے جانے والے تاج ہوٹل اور اوبرائے ہوٹل کو دہشت گردوں نے یرغمال بنا لیا۔ دوسرے ہی دن صبح صبح نیوز ایجنسیوں نے خبر نشر کی کہ دہشت گرد پڑوسی ملک پاکستان سے بحری کشتیوں کے ذریعہ ممبئی آئے تھے، جن کے ساتھ بھاری تعداد میں گولہ بارود اور دوسرے ہتھیار تھے۔ ہم یہاں ان خبروں کی تردید یا تصدیق نہیں کرنا چاہتے، لیکن اتنا ضرور پوچھنا چاہتے ہیں کہ ممبئی جیسا ترقی یافتہ شہر جہاں دفاع وتحفظ کے تمام جدید ذرائع مہیا ہیں، پولیس محکمہ اور خفیہ ایجنسیوں کو دفاعی اور حفاظتی امور سے متعلق تمام تر سہولتیں دستیاب ہیں۔ بندرگاہ اور ساحل سمندر پر محافظین کی بڑی تعداد تعینات رہتی ہے، پھر یہ کہ ہوٹل اوبرائے اور تاج جنھیں دہشت گردوں نے پناہ گاہ بنا لیا، وہاں کسی بھی شخص کو مکمل تفتیش اور شناخت کے بغیر داخلے کی اجازت نہیں دی جاتی، سامانوں کی بھی جانچ ہوتی ہے، اس کے باوجود دہشت گرد اپنے ممنوعہ ہتھیاروں اور دھماکہ خیز مادوں کے ساتھ ہوٹل میں کس طرح داخل ہو گئے؟ کیا ان تمام سوالات کے جواب میں حکومت کا صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ دہشت گرد پاکستان سے آئے تھے۔ ہمیں اس سے مطلب نہیں کہ دہشت گرد کہاں سے آئے تھے، ہم تو ملک کے محافظین سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ دہشت گرد ملک میں کیسے آئے؟

تو ادھر اُدھر کی نہ بات کر، یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا مجھے رہ زنوں سے غرض نہیں، تری رہبری کا سوال ہے

ادھر چند مہینوں سے ہندستان میں دہشت گردی کے چند نئے نیٹ ورک کے انکشاف کے بعد ''اسلامی دہشت گردی'' کے ساتھ ساتھ ''ہندو دہشت گردی'' کی اصطلاح بھی میڈیا میں چھائی رہی۔ ان ہی دنوں آبرو باختہ سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر کے مالے گاؤں بم دھماکے میں ملوث ہونے کا معاملہ سامنے آیا۔ پورے ملک میں سنسنی پھیل گئی۔ بڑے بڑے افسران اور سیکولر کہے جانے والے لیڈران کی قلعی کھلنے لگی۔ بنیاد پرست ہندو تنظیموں کا اصل چہرا بے نقاب ہونے لگا۔ پھر کیا تھا، تمام حقائق وشواہد کو بالائے طاق رکھ کر ایک مخصوص طبقے کی جانب سے احتجاج کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور پے در پے مطالبات ہونے لگے کہ ''ہندو دہشت گردی'' کا لفظ میڈیا میں ہرگز استعمال نہیں ہونا چاہیے اور سادھوی اینڈ کمپنی کو باعزت بری کیا جائے۔ میڈیا اور عوام اس معاملے میں خاطر خواہ دل چسپی لینے لگے۔ پورے ملک میں یہی مسئلہ موضوع بحث بن گیا۔

ان ہی حالات میں ممبئی سانحہ پیش آیا۔ حادثے میں جہاں ہندستانی فوج کے کئی جوان ہلاک ہوئے وہیں سادھوی کیس کی تحقیقاتی ٹیم کے انصاف پسند اور غیر جانب دار سربراہ مسٹر ہیمنت کرکرے بھی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ ان کی پوری ٹیم کو تباہ وبرباد کر دیا گیا، اب میڈیا کی پوری توجہ ممبئی سانحہ کی طرف ہو گئی۔ عام لوگوں کے ذہن سے بھی سادھوی کا معاملہ محو ہونے لگا۔ ان حالات پر غور وفکر کے بعد ہمارے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں رہ جاتا ہے کہ ممبئی سانحہ کیوں پیش آیا اور اس کے پیچھے کون سے مقاصد کار فرما تھے؟

اب جب کہ ''ہندو دہشت گردی'' کا جن بوتل سے باہر آ گیا ہے اور یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس کا رشتہ آر ایس ایس، بجرنگ دل اور دیگر ہندو فرقہ پرست تنظیموں سے ملتا ہے تو حکومت ہند پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ذات پات، فرقہ ومذہب کی حدود سے بالاتر ہو کر غیر جانب دارانہ اعلیٰ سطحی تحقیقات کرائے اور دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث ہر فرد کو سخت ترین سزا دے خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب یا جماعت سے ہو۔

از: محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف

اشاریہ

ماہ نامہ اشرفیہ ۱۹۹۰ء

جلد: ۱۵/ جنوری ۱۹۹۰ء تا جنوری ۱۹۹۱ء

مولانا محمد ساجد رضا مصباحی

......《اداریے》......

نمبر شمار	عنوانات	مضمون نگار	ماہ	صفحات
۱	عرس حافظ ملت اور محاسبۂ عمل	مولانا محمد عبدالمبین نعمانی	جنوری	۳-۵
۲	فسادات کا انسداد کیسے ہو؟	مولانا محمد عبدالمبین نعمانی	فروری	۳-۵
۳	مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ	مولانا محمد عبدالمبین نعمانی	مارچ	۳-۶
۴	عصر حاضر میں دینی مدارس کی ضرورت واہمیت	مولانا محمد عبدالمبین نعمانی	اپریل	۳-۴
۵	بابری مسجد مندر میں تبدیل کردی گئی	مولانا محمد عبدالمبین نعمانی	مئی	۳
۶	جدید نسل کی گم راہی کے اسباب وعلاج	مولانا محمد عبدالمبین نعمانی	جون	۳-۸
۷	فکرونظر (مسلم معاشرہ کی بدحالی کے اسباب)	مولانا مبارک حسین مصباحی	جولائی	۳-۴
۸	مفتی اعظم ہند اور الجامعۃ الاشرفیہ	مولانا مبارک حسین مصباحی	اگست	۳-۸
۹	داعیان امت اور قائدین ملت کے لیے لمحۂ فکریہ	مولانا مبارک حسین مصباحی	ستمبر	۳-۷
۱۰	خلیج کا بحران اور یہودی وسعودی کاسہ لیسوں کا شرم ناک انجام	مولانا مبارک حسین مصباحی	اکتوبر	۳-۸
۱۱	ادارہ تحقیقات حافظ ملت کی منزل کی طرف پیش قدمی	مولانا مبارک حسین مصباحی	نومبر	۳-۵
۱۲	ملت اسلامیہ کا پاسباں جاتا رہا (علامہ مشتاق احمد نظامی)	مولانا مبارک حسین مصباحی	دسمبر-جنوری	۳-۵

......《انوار حدیث》......

نمبر شمار	عنوانات	مضمون نگار	ماہ	صفحات
۱	آغاز وحی کی حدیث کا تجزیہ	مفتی محمد شریف الحق امجدی	دسمبر-جنوری	۶-۸

......《فقہیات》......

نمبر شمار	عنوانات	مضمون نگار	ماہ	صفحات
۱	ہنڈی سے روپیہ بھیجنے کا شرعی حکم/ خطوط کو سنسر کرنا کیسا ہے؟/ محصل کو جو تحفہ ملے وہ کس کا ہے؟/ رشوت کا حکم/ مدارس کے مفاد کے لیے رشوت دینا کیسا ہے؟/ خدا کو جانِ یقین کہنا کیسا ہے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جنوری	۶-۷
۲	ناول کی آمدنی کا حکم	مفتی محمد شریف الحق امجدی	فروری	۸
۳	سفرائے مدارس کے تعلق سے چند سوالات/ حضور کو کملی والے یا خدا کا دلبر کہنا کیسا ہے؟/ مسجد کے مکان میں غلط کار کرایہ دار؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	مارچ	۷-۹
۴	روزہ کی حالت میں منجن کا حکم/ رمضان میں مسجد میں روزہ افطار کرنے کا حکم	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اپریل	۵
۵	مردار کی خرید وفروخت/ اوجھائی سیکھنا کیسا ہے؟/ سالی دیور وغیرہ کا حکم	مفتی محمد شریف الحق امجدی	مئی	۴-۵
۶	قبرستان کا حکم/ نومسلم مرد وعورت کا نکاح/ نومسلم کا ختنہ/ پیدائش کے فوراً بعد کا دودھ/ سود کا حکم/ تعزیہ بنانا کیسا ہے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جون	۹-۱۱

نمبر شمار	عنوانات	مضمون نگار	ماہ	صفحات
۷	فاسق کی امامت کا حکم/ سید کسے کہتے ہیں؟/ جانور کی سینگ کا حکم/ مردہ کی جانب سے عقیقہ کا حکم/ لڑکوں کی کمائی کا حکم	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جولائی	۵-۶
۸	قربانی اور اس کے شرعی احکام	مولانا بدر القادری	جولائی	۲-۱۵
۹	رسیدوں پر گنبدِ خضرا کے نقشے کا حکم/ قلم اگزامک ایسڈ کا حکم/ پکچر ایڈورٹائز کا حکم	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اگست	۹-۱۰
۱۰	بشریت مصطفیٰ کی تشریح/ رسول اللہ سے مانگنے کا حکم/ کیا ہمارے نبی حضرت آدم سے پہلے نبی ہیں؟	مفتی محمد نظام الدین رضوی	اکتوبر	۱۰-۱۱
۱۱	مسجد اور مدرسہ کا روپیہ خرچ کرنے کا حکم/ کیا مومنوں کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے/ پانی پر بننے والوں کا مال بچانا کیسا ہے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	نومبر	۶-۷
۱۲	تحفظ بابری مسجد کے تعلق سے چند سوالات وجوابات	مفتی محمد صالح بریلوی	دسمبر-جنوری	۹-۱۱

......《تحقیقات》......

نمبر شمار	عنوانات	مضمون نگار	ماہ	صفحات
۱	النبی کا صحیح معنی ومفہوم (ترجمۂ اعلیٰ حضرت پر اعتراض کا تحقیقی جواب) (قسط-۱)	علامہ سید احمد سعید کاظمی	جنوری	۱۸-۲۴
۲	اقبال کا ایک مشہور شعر تحلیل وتجزیہ	ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برق	جنوری	۴۸-۵۲
۳	النبی کا صحیح معنی ومفہوم (ترجمۂ اعلیٰ حضرت پر اعتراض کا تحقیقی جواب) (قسط-۲)	علامہ سید احمد سعید کاظمی	فروری	۲۴-۲۹
۴	النبی کا صحیح معنی ومفہوم (ترجمۂ اعلیٰ حضرت پر اعتراض کا تحقیقی جواب) (قسط-۳)	علامہ سید احمد سعید کاظمی	مارچ	۳۰-۳۵
۵	الہلال	خواجہ مظفر حسین رضوی	جون	۱۸-۲۲
۶	مسواک جدید تحقیق کی روشنی میں	رضا فاروقی	جون	۳۹-۴۰
۷	تعزیہ برداری کی غیر شرعی رسم اور فرضی کربلا (ایک تحقیقی مضمون)	سید شمیم گوہر	اگست	۳۱-۳۳
۸	امام احمد رضا کی فقہی بصیرت جد الممتار کے آئینے میں (قسط-۱)	علامہ محمد احمد مصباحی	ستمبر	۱۱-۱۶
۹	امام احمد رضا کی رجال حدیث پر نظر	مولانا آل مصطفیٰ مصباحی	ستمبر	۲۷-۳۱
۱۰	امام احمد رضا کی فقہی بصیرت جد الممتار کے آئینے میں (قسط-۲)	علامہ محمد احمد مصباحی	اکتوبر	۲۲-۲۶
۱۱	امام احمد رضا کی فقہی بصیرت جد الممتار کے آئینے میں (قسط-۳)	علامہ محمد احمد مصباحی	نومبر	۸-۱۴
۱۲	النبی الامی (ایک تحقیقی مضمون)	سید سعادت علی قادری	دسمبر-جنوری	۱۲-۲۰

......《اسلامیات》......

نمبر شمار	عنوانات	مضمون نگار	ماہ	صفحات
۱	پیغامِ بیداری (قسط-۳)	مولانا سراج الہدیٰ	جنوری	۳۹-۳۷
۲	تربیت اولاد میں بے اعتدالی کے نتائج	مولانا رضاء الحق مصباحی	جنوری	۴۰-۴۴
۳	ٹوپی حضور کی سنت اور قومی امتیاز ہے	مولانا فتح احمد بستوی	جنوری	۶۸-۷۰
۴	پیغامِ بیداری (قسط-۴)	مولانا سراج الہدیٰ	فروری	۱۷-۲۰
۵	ارشادات خواجہ غریب نواز	الحاج عبدالحکیم عزیزی	فروری	۳۰-۳۳
۶	شب برات اور اس کی فضیلت وعظمت	شہاب ظفر اعظمی	مارچ	۲۷-۲۹
۷	روزہ	مولانا انوار احمد قادری	اپریل	۶-۷
۸	شب قدر اور اس کے فضائل	مفتی محمد نظام الدین رضوی	اپریل	۸-۱۱

……نظریات……

……شخصیات……

عزیزیات

تاریخیات

ادبیات

نقد و نظر

منظومات

۵	نعت ومناجات	عبدالمصطفیٰ اعظمی/ بیکل اتساہی	مئی	۴۳/۲
۶	نعتیں	حسن رضا بریلوی/ قمر مصطفوی	جون	۴۸/۲
۷	حمد/ شہ پارے/ نعتیں/ منقبت	سید مقصود حسین/ بدرالقادری/ استاذ زمن/ سید حیات وارثی/ علی احمد سیوانی مصباحی	جولائی	/۳۱/۱۵/۲ ۴۴/۴۱
۸	ذکر شہادت/ نعت پاک	حسن رضا بریلوی/ ڈاکٹر وصی مکرانی	اگست	۴۷/۲
۹	حمد باری تعالیٰ/ نعت پاک	مفتی احمد یار خاں/ واصف بھوج پوری	ستمبر	۴۸/۲
۱۰	نعتیں	مولانا محمد یونس/ محمد یوسف عازم	اکتوبر	۴۴/۲
۱۱	مناقب	بدرالقادری/ الطاف انصاری	نومبر	۳۹/۲۳
۱۲	نعتیں	شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی/ ایوب مبارک پوری	دسمبر-جنوری	۲۰-۳-۷

...... مکتوبات

۱	احمد القادری بنارس/ اشتیاق احمد رضوی اشرفی، ہزاری باغ/ طفیل احمد مصباحی، مہراج گنج	جنوری	۷۹
۲	علامہ عبدالحکیم شرف قادری، پاکستان/ ڈاکٹر وصی مکرانی/ محمود حسین بریلوی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ/ محمد یونس، ہلدوانی نینی تال/ غوث محمد، حیدرآباد/ سید محمد طلحہ رضوی برق/ سیف خاں، سرائے سنبھل	مئی	۳۹-۴۰
۳	ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی، نیپال/ محمد انور علی قادری مصباحی، کولمبو، لنکا	اگست	۴۸
۴	محمد جمال اشرف فیض آبادی/ شہاب الدین رضوی، بہرائچ/ شیخ ہارون رشید، کٹلی بھاگل پور/ عزیز احمد خاں، شیواجی نگر	ستمبر	۴۷-۴۸
۵	مولانا بدرالقادری، ہالینڈ/ انوارالحق وارثی، بمبئی/ ڈاکٹر عبدالرحمٰن انصاری/ غلام جابر شمس مصباحی، پورنیہ	اکتوبر	۵۰-۵۱
۶	ملائم سنگھ کے نام کھلا خط، از: مولانا محمد حسین بنارس/ ایاز احمد مصباحی، نینی تال/ محمد حنیف مصباحی/ محمد عبدالشکور مظفری، کرناٹک، ایم۔ ایم۔ عالم قادری، کان پور/ اصغر علی رضوی، بنگلور/ ڈاکٹر وصی مکرانی، نیپال/ محمد قاسم الرضوی جبل پور/ محمد اسحاق رضوی، رام پور	دسمبر-جنوری	۹۱-۹۲

...... سرگرمیاں (روداد چمن)

۱	کتب موقوفہ حضرت سید العلما برائے جامعہ اشرفیہ/ مفتی نان پارہ کی والدہ کی رحلت پر جامعہ میں تعزیتی نشست	جنوری	۷۸
۲	الجامعۃ الاشرفیہ میں عربی زبان میں مقالہ نگاری کا مقابلہ/ الجامعۃ الاشرفیہ میں حافظ ملت سمینار سرگزشت وعزائم	فروری	۱/۴۸
۳	جامعہ اشرفیہ میں جشن یوم رضا/ خلیجی بحران کے تصفیہ کے لیے ذمے داران اشرفیہ کی تجاویز	اکتوبر	۴۸-۴۹

عالمی خبریں .... **جنوری ۱۹۹۰ء تا جنوری ۱۹۹۱**

خیر و خبر .... **جنوری ۱۹۹۰ء تا جنوری ۱۹۹۱**

...... وفیات

۱	علامہ عبداللطیف نعیمی صابری کا انتقال	؟	؟
۲	حضرت محدث ثناء اللہ مئوی کا سانحۂ ارتحال	ستمبر	۱۰
۳	بزم عزیزیہ امجدیہ جمشید پور کے جنرل سکریٹری محمد صدیق عزیزی کا انتقال	ستمبر	۴۵
۴	خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کی رحلت	نومبر	۵

نقد ونظر

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں

نام کتاب: **مسئلۂ مرغوب (مع تقاریظ علماے کرام)**
مصنف: حضرت علامہ محمد قائم چشتی قتیل داناپوری
سن اشاعت: 2006ء/1427ھ
صفحات: 144 قیمت: 30/ روپے
ناشر: علامہ قتیل اورینٹل لائبریری ومرکز تحقیق، داناپور کینٹ، پٹنہ (بہار)
مبصر: محمد شہاب الدین مصباحی

بارہویں صدی ہجری کے فتنۂ وہابیت نے امت مسلمہ کے شیرازہ کو تار تار کر دیا۔ اس فتنہ کا بانی محمد بن عبد الوہاب نجدی (1115ھ-1207ھ) ہے۔ اسلاف کے تقدس کو پامال کرنا، ان کی بے حرمتی، عقیدت مندوں کے دلوں سے ان کے عقیدت کے جنازے نکالنا اس کے اولین مقاصد تھے۔ اپنے ناکام عزائم میں کامیاب ہونے کے لیے آل سعود کو اپنا آلہ کار بنایا۔ دھوکہ اور مکر سے حرمین شریفین پر قابض ہوکر شرک وبدعت کے نام پر مسلمانوں کا بے دریغ قتل شروع کیا، اپنے نئے دین کی تبلیغ کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے۔ جس نے بھی ان کے عقائد سے سر مو انحراف کیا، وہ ان کے عتاب کا نشانہ بنا۔ آج بھی نجدیوں کا یہ گھناؤنا کھیل جاری ہے۔ حضرت علامہ محمد قائم چشتی قتیل داناپوری علیہ الرحمہ کی یہ کتاب "مسئلۂ مرغوب" ان ناعاقبت اندیش نجدیوں کے مظالم کی دل خراش داستان ہے۔

سرورق پر مرتب کتاب کے نام کے بعد "جاروب کش آستانۂ چشتیہ نظامیہ" ہی مصنف کی اعلیٰ ظرفی اور وسعت فکر ونظر پر دلالت کرتا ہے اور قارئین پر اس کا مثبت ردعمل ہوتا ہے۔ خال خال لوگ ایسے نظر آتے ہیں جو اس قدر منکسر المزاج ہوتے ہیں۔ کتاب اپنی اہمیت وافادیت کی وجہ سے اشاعت کے پانچویں مرحلے سے گزر رہی ہے۔ پروفیسر طلحہ رضوی برق نے اشاعت پنجم کے موقع پر یہ قطع تاریخ کہا۔

سامنے اہلِ علم ونظر کے | پھر یہ مسئلۂ مرغوب آیا
1383ھ

برق اشاعت نو کا سال آیا | نقد خوب وناخوب آیا
1427ھ

ہر بڑی شخصیت کے پیچھے حاسدین ضرور رہتے ہیں، لیکن گھر کا دشمن باہری دشمنوں سے حد درجہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ مصنف بھی گھریلو دشمنی کے شکار ہوئے چناں چہ خود بیان کرتے ہیں:

"بات یہ ہے کہ میں 1344ھ میں آستانۂ چشتیہ نظامیہ داناپور تعمیر 745ھ کا سجادہ نشین ہوا۔ اُس وقت سے اس وقت تک مجھے پناہ نہیں ہے، میرے بعض اقربا نے جو میرے اور میری خانقاہ و آستانہ پاک کے دشمن ہیں مجھے خوب خوب ستایا، حملے کیے، بہتان باندھے (ص:14) کتاب کی تالیف کا اجمالی پس منظر یہ ہے کہ 1962ء میں مصنف علیہ الرحمہ حج کے ارادے سے معزز علما کی جماعت کی ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ چوں کہ گستاخان رسول کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ اس لیے آپ حضرات نے نجدی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ مصنف کے حاسدین جو پہلے ہی سے موقع کی تلاش میں تھے، اس واقعہ کے بعد گل کاریاں مار مار کر طعن وطنز کے جملے چست کرنے لگے اور بہتان وافترا کی ساری حدوں کو پار کر کے آپ کو ستانے پر آمادہ ہو گئے۔ جب پانی سر سے اونچا ہو گیا اور ہر چہار جانب سے سوالات کی بوچھار ہونے لگی کہ آپ نے امامِ حرم کے پیچھے نماز کیوں نہ پڑھی۔ بالآخر مصنف نے جواب کا سب سے اچھا طریقہ، تحریر وقلم کا استعمال کیا۔ ایک بدمذہب نے تبرا میں اتنا غلو کر دیا اور اپنے مضمون میں یہ لکھ دیا کہ "محمد قائم نہ حنفی ہے نہ شافعی، نہ مالکی، نہ حنبلی بلکہ فقیہہ کا لمنسٹ (باغیِ بادشاہ) ہے اور مذہب میں باغی خدا کو کافر کہتے ہیں، یعنی کافر۔" (ص:17)

پھر آگے بیان کرتے ہیں کہ: (جاوید حسین کیفی) کنکو باغی صاحب نے مجھ پر یہ بھی طنز کیا کہ محمد قائم حدیث اور اہل حدیث کا دشمن ہے اور صاف صاف لکھ دیا کہ شاہ کی جھولی میں حدیث کہاں، اس لیے فقیر نے "مسئلۂ مرغوب" میں احادیث پاک ہی سے جواب دے کر

کنکو باغی صاحب کو دکھلا دیا کہ دیکھو شاہ کی جھولی میں کتنی حدیثیں ہیں اور دیکھیں کہ حدیث کو ہم مانتے ہیں یا اہل حدیث۔ (ص:17)

مصنف نے صحیحین کی 22 منتخب حدیثوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ خطۂ نجد کی خشت اول ہی رسول دشمنی اور فتنہ و فساد پر رکھی گئی ہے۔ خیر القرون سے آج تک جتنے بھی فتنے اسلام کے خلاف اٹھے ہیں، ان میں سے اکثر کا تعلق نجد ہی سے رہا ہے۔ بیرٔ معونہ کا دل دوز واقعہ، مسیلمہ کذاب کا فتنہ، دار الندوہ میں محسن انسانیت کے قتل کا مشورہ دینے والے شیخ کا تعلق نجد ہی کی سرزمین سے ہے۔

مصنف نے چشم دید کی حیثیت سے نجدیت کے کالے کرتوت کی قلعی کھولی ہے۔ وہابیہ کی بنیاد ہی فریب کاری و عیاری اور مکاری پر رکھی گئی ہے، مگر مصنف نے ''نجدیوں کا کھلا فریب'' کے عنوان سے وہابیہ کے ایک بہت بڑے فریب سے نقاب کشائی کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ عوام کو جھانسا دینے کے لیے اپنے آپ کو حنبلی ظاہر کرنا شروع کیا۔ حالاں کہ وہابی عقائد اور حنبلی عقائد میں کھلا تضاد ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر مصنف نے 42 مثالوں سے ان کے تضاد کو ظاہر کیا ہے جسے پڑھ کر نجدی حکومت کی سرکشی اور اپنی بے بسی پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ یقیناً ایک منصف انسان صحابۂ کرام، امہات المومنین، صلحاے امت کی قبروں کی بے حرمتی اور ان کی مسماری کی ہول ناک داستان سن کر خون کے آنسو رونے پر مجبور ہو جائے گا۔

ترے حبیب کا پیارا چمن کیا برباد-- الٰہی، نکلے یہ نجدی بلا مدینے سے

صحابۂ کرام اور بزرگوں کے مزارات شعائر اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن وہابی بد بخت ان کی مسماری اور انہدام ہی میں دین کی حفاظت جانتے ہیں۔ مصنف علیہ الرحمہ نے ان کے گھنونے کارناموں اور عقائد باطلہ کی خوب خبر لی ہے۔ آپ نے وہابیہ کے چند باطل عقائد کی فہرست پیش کی ہے۔ وہابیوں کی اہم کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں سے بھی ان کے عقائد پیش کیے ہیں، جیسے تحذیر الاوراق، فتح المغیث، تحفۂ وہابیہ، ترجمۃ الھدایۃ السنیہ، اعتصام السنۃ، تشریح سورہ فاتحہ۔ تحذیر الاوراق کے مصنف نے لکھا ہے کہ ''قرآن شریف کو قاذورات (پاخانہ) میں ڈالنا کفر نہیں جائز ہے۔'' حالاں کہ اس کا کفر ہونا اجلی بدیہات سے ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ کی ایک کتاب ''مناظرۂ میلاد افزا'' بھی ہے جسے آپ نے حوالہ میں ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا ہے: ''میں اس جگہ صرف اتنے ہی عقیدوں پر بس کرتا ہوں، اگر ان کے عقیدے جاننا چاہتے ہیں تو میری کتاب ''مناظرۂ میلاد افزا'' دیکھیے۔'' (ص:65)

کتاب تحقیق و تفحص کے لحاظ سے سندی حیثیت رکھتی ہے۔ زبان و بیان بھی پر وقار، عالمانہ، شستہ اور شگفتہ ہے۔ وہابیوں کے کالے کرتوت کو طشت از بام کرنے والی ہے، جو ایک مظلوم کے قلم کی کاشت ہے۔

کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس دور کے جید علماے کرام نے اس پر تصدیقات فرمائیں اور اس پر اپنی بیش بہا تقریظیں لکھیں۔ حسام الحرمین کی تقریظات کے بعد اتنی لمبی فہرست شاید پہلی فہرست ہے جس میں 66 علما شامل ہیں۔ ان میں استاذ العلما جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ عبد العزیز مراد آبادی، مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن قادری، حضرت مولانا سید مصباح الحسن چشتی، حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین کان پوری، رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری، حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہم الرحمہ جیسی اہم شخصیات شامل ہیں۔ اسی سے کتاب کی ثقاہت واہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

نعتیں

از: علامہ بدر القادری، ہالینڈ

وظیفۂ نامِ نبی

نامِ نبی کا وظیفہ کیے جا
ساغرِ وحدتِ مست پیے جا

خود ہیں وہ سر تا پا رحمت
اُن کا نام ہے عرش کی زینت
نام اُن کا سینے پہ لکھے جا

اُن کے کرم کی ہر سو پھواریں
اُن کے نام کی ساری بہاریں
دل کر ذاکر، ہونٹ سیے جا

کلمۂ پاک میں نام ہے اُن کا
بگڑی بنانا کام ہے اُن کا
چاک گریباں اپنے سیے جا

اِس مے کا نشہ ہے نرالا
سب کو نہیں ملتا یہ پیالہ
تو یہ سودا جاں کے لیے جا

بدرؔ بنے جو اُن کا بھکاری
اُس نے قسمت اپنی سنواری
نام اُن کا لے لے کے جیے جا

نامِ نبی کا وظیفہ کیے جا
کیے جا پیارے - نامِ نبی کا وظیفہ کیے جا

شامیانۂ تصور

بلا لیجیے شاہِ دیں اپنے در پر
کرم ہو گنہ گار کی چشمِ تر پر

نہ کیوں جنتیں ہر قدم پاؤں چومیں
میں نکلا ہوں طیبہ نگر کے سفر پر

نظر میں ہے بس رحمتِ شاہِ بطحا
نہ رہبر، نہ تکیہ کسی چارہ گر پر

مدینے کی گلیوں میں میں کھو گیا ہوں
بچھی جا رہی ہے نظر رہ گزر پر

مقدر سنور جائے گر آپ رکھ دیں
حضور اپنا دستِ کرم میرے سر پر

انوکھا شعور آپ نے اس کو بخشا
نگاہِ کرم ڈال دی جس شجر پر

خیال اُن کا حاصل رہے بدرؔ تجھ کو
ہمیشہ رہے شامیانہ یہ سر پر

☆☆☆☆☆

تعارف

خطۂ بندیل کھنڈ میں اہل سنت کا علم بردار

دار العلوم زینت الاسلام-امرودھا

مولانا محمد سلیم برکاتی مصباحی

اس کالم میں اہلِ سنت کے ادارے، تحریکیں اور اکیڈمیاں دو صفحات میں اپنا مختصر اورجامع تعارف پیش کر سکتی ھیں، مگر ادارے سے پہلے رابطہ ضروری ھے۔

قصبہ امرودھا اتر پردیش کی صنعتی راج دھانی کان پور سے جانب جنوب تقریباً 65رکلومیٹر دور کان پور، جھانسی روڈ پر مدینۃ الاولیا کالپی شریف سے آٹھ کلومیٹر پہلے واقع ہے۔اس قصبہ کی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب تقریباً 50% ہے۔اور الحمد للہ مسلمانوں کی یہ ساری آبادی اہل سنت و جماعت سے وابستہ ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی پیروکار ہے۔لیکن کسی اجتماعی صنعت اور مستقل ذریعۂ معاش کے نہ ہونے سے یہاں کے باشندے معاشی اعتبار سے پس ماندہ رہے ہیں۔چناں چہ ان کی مذہبی، تعلیمی، عائلی، سماجی اور سیاسی زندگی پر اس پس ماندگی کا کافی اثر پڑا جس کی وجہ سے یہاں کی دینی اور دنیوی تعلیم پر عرصہ دراز تک جمود وتعطل طاری رہا۔

1968ء میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاج دارِ اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان کی اس قصبہ میں آمد مذہبی تعلیم کی طرف یہاں کے باشندوں کی پیش رفت میں ایک سنگ میل ثابت ہوئی۔چناں چہ آپ نے صدیوں سے جاری اس تعلیمی جمود کا خاتمہ کرنے کے لیے ایک مذہبی ادارہ کے قیام کی ترغیب دلائی۔اپنے مرشد گرامی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے قصبہ کے باہمت اور باحوصلہ افراد نے ایک مذہبی ادارہ کے قیام کی تحریک چھیڑ دی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک ان کی زندگی کا اہم حصہ بن گئی۔اس طرح دو ماہ بعد ہی حضرت کے ہاتھوں ''انجمن مدرسہ زینت الاسلام'' کے نام سے ایک مکتب کا قیام عمل میں آیا جس کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری عالی جناب منشی محمد ابراہیم قادری کے سپرد کی گئی۔

آئندہ سال حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ جب یہاں تشریف لائے تو آپ نے اس کی عمارت اور اس کے تعلیمی نظام کا معائنہ فرمانے کے بعد اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس مکتب کو ایک ایسی عظیم الشان دینی دانش گاہ تک پہنچانے کی خواہش ظاہر فرمائی جو مسلمانوں کے بچوں کو عصری تقاضوں کے مطابق قرآن و سنت کی روشنی میں اور اسلاف امت کے طریقے پر بہتر اور عمدہ انداز میں تعلیم وتربیت دینے کی حامل ہو اور پھر مزید کرم فرماتے ہوئے آپ نے تاحیات اس ادارہ کی مکمل سرپرستی کا اعلان بھی فرما دیا، جس کو آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام تک نبھایا۔آپ کے وصال کے بعد مرشد اعظم ہند حضور احسن العلما مارہروی علیہ الرحمہ نے اس ادارہ کو اپنی سرپرستی میں لے کر یہاں کے مسلمانوں اور اس ادارہ کو اپنی بے کراں نوازشات سے مشرف فرمایا، بلکہ آپ تاحیات اس ادارہ کے سرپرست اعلیٰ بھی رہے۔
اس طرح یہ ادارہ قلت ذرائع کے باوجود ان بزرگوں کے روحانی تصرفات اور منشی محمد ابراہیم قادری ناظم اعلیٰ دارالعلوم ہذا کی کاوشوں کی بنیاد پر عرصۂ دراز تک ایک مکتب کی شکل میں نونہالان اسلام کو بہ طریق احسن تعلیم سے آراستہ کرتا رہا۔

مکتب سے دارالعلوم تک: لیکن صرف مکتب تک محدود رہنا نہ تو اس ادارہ کی منزل تھی اور نہ ہی اس کے ذمہ داروں اور سرپرستوں کا ہدف اور مقصد۔یہی وجہ ہے کہ ادارہ کی بلند ہمت انتظامیہ اس کی تعلیمی وتعمیری ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں اور بہتر سے بہتر کے لیے مستعد اور فکر مند رہی۔

دوسری جانب ادارہ نے اپنے حسن انتظام اور اپنے بلند پایہ تعلیمی معیار کی بنیاد پر قرب وجوار میں قوم کا اعتماد حاصل کر لیا۔یہاں تک کہ اس عرصہ میں طالبان علوم نبویہ کے قافلے جوق در

استاذ دارالعلوم زینت اسلام امرودھا، کانپور دیہات

جوق سرزمین امرودھا پر اترنے لگے، جس کی وجہ سے مدرسہ کی قدیم عمارت تنگ اور ناکافی ہو گئی۔چناں چہ مہمانان رسول کی کثرت اور عمارت کی قلت کو دیکھتے ہوئے انتظامیہ نے اپنی بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے باوجود محض خدا اور رسول کے بھروسے اور بزرگوں کی دعاؤں کے سہارے ایک جدید عمارت اور ادارہ کے شعبہ جات میں توسیع کا فیصلہ کیا۔اسی فیصلہ کی تکمیل اور اس کے سرپرستوں (حضور مفتی اعظم ہند اور حضور احسن العلما علیہما الرحمہ) کے خوابوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے قصبہ کے باہر ایک وسیع وعریض قطعۂ آراضی حاصل کر کے 1992ء میں حضرت سید ضیاء الدین ترمذی سجادہ نشین خانقاہ محمدیہ کالپی و چوزا شریف، حضرت سید اصغر میاں صاحب قبلہ پھپھوند شریف و حضرت مولانا سید مہدی میاں صاحب قبلہ اجمیر شریف و دیگر علمائے کرام ومشائخ عظام کے مقدس ہاتھوں جدید عمارت کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔الحمد للہ اب تک اس زمین پر 15x30 کے 9رکمرے 25x30 کا ایک کمرہ، 9x175 کے ایک طویل برآمدہ پر مشتمل جدید طرز کی ایک دیدہ زیب عمارت کا ایک حصہ بن کر تیار ہو چکا ہے۔لیکن مجوزہ نقشے کے مطابق ابھی عمارت کے بقیہ حصے قوم کے غیور اور مخیّر حضرات کے خصوصی تعاون کے منتظر ہیں۔

دارالعلوم کے شعبہ جات:

درجۂ مولویت-چار سالہ کورس، از اعدادیہ تا رابعہ عربک اینڈ انگلش ٹرانس لیشن کورس کے ساتھ۔

درس عالیہ-عالم، فاضل، کامل، منشی، مولوی۔

حفظ بالحدر-تین سالہ کورس۔

قراءت بہ روایت حفص-تین سالہ کورس۔

نوری دارالافتا-☆-**نوری لائبریری**

پرائمری وجونیر ہائی اسکول-انگلش، اردو اور ہندی میڈیم۔

شعبۂ نسواں-درجۂ مولویت چار سالہ کورس۔

عربک اور انگلش اسپیکنگ کورس۔

آئینۂ دارالعلوم:

(1)	اساتذۂ شعبۂ عالیہ	5
(2)	اساتذۂ شعبۂ فوقانیہ	3
(3)	اساتذۂ شعبۂ تحتانیہ	5
(4)	سائنس ٹیچر	4
(5)	معلمین ومعلمات پرائمری وجونیر ہائی اسکول	8
(6)	منی آئی ٹی آئی (ڈیزل میکینک ٹریڈ)	1
(7)	〃 〃 (ویلڈنگ ٹریڈ)	1
(8)	〃 〃 (سلائی کٹائی ٹریڈ)	1
	میزان	28

دارالعلوم کے منصوبے:

(1) درجۂ مولویت سے فضیلت تک تعلیم (2) ہائی اسکول سے انٹر میڈیٹ تک منظوری (3) علاقائی سطح پر مکاتب کا قیام (4) کمپیوٹر سینٹر کا قیام (5) شعبۂ تصنیف وتالیف کا قیام (6) جدید دارالاقامہ کی تعمیر (7) ہر شعبہ کے لیے جداگانہ عمارت کی تعمیر (8) قیام گاہ برائے اساتذہ (فیملی کالونی) (9) لائبریری کے لیے ایک وسیع عمارت۔

اللہ رب العزت تا قیامت اس ادارہ کے علمی فیضان کو جاری وساری رکھے اور تمام منصوبوں کی تکمیل کے لیے غیب سے سامان مہیا فرمائے۔آمین بجاہ النبی الکریم، علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

صدائے بازگشت

یہ کالم ایک "صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے"۔ اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم وضاحت فرمائیں

نباضِ قوم وملت، فخرِ صحافت، داعیِ اہل سنت، حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ بخیر ہوں گے۔ اہل سنت و جماعت کا ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ کا انقلابی وتحقیقی وتاریخی نمبر بنام ''انقلاب 1857ء نمبر'' اپنی تمام تر رعنائیوں اور خوبیوں کے ساتھ موصول ہوا۔ جملہ مضامین لائق مطالعہ اور معلومات افزا ہیں۔ بالخصوص انقلاب 1857ء کے چند فکر انگیز پہلو'' اور'' انقلاب 1857ء کی سرکردہ شخصیات'' کالم کے تحت لکھے گئے تمام مضامین بہت شان دار ہیں۔ مقصود مدعا یہ ہے کہ مسائل ومباحث کالم کے تحت مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب نے اپنے مضمون ''مسلم مجاہدین آزادی کے ساتھ متعصبانہ رویہ اختیار کیا گیا'' میں اطہر نقوی صاحب کے مکتوب کے جواب میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ، ''اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسماعیل شہید جیسے لوگ سر سے کفن باندھ کر لوگوں کو سکھوں کے عذاب سے نجات دلانے آئے تھے اور مسلمانوں کے ہی ہاتھوں شہید ہو کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔'' اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''اس حقیقت کا اعتراف سرسید نے بھی کیا ہے کہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد کی شہادت مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ہوئی۔'' (انقلاب 1857ء نمبر، ص:13)

اسماعیل دہلوی اور سید احمد رائے بریلوی جو کہ وہابیوں کے پیشوا اور امام گزرے ہیں، ان کے لیے مندرجہ عبارتوں میں شہید اور شہادت جیسے جملے استعمال کیے گئے ہیں، جو میری سمجھ سے پرے ہے۔ اس لیے ڈاکٹر صاحب سے میری ادنیٰ گزارش ہے کہ وہ وضاحت فرما کر میرے ذہنی خلجان کو دور فرمائیں۔

فقط۔ والسلام **دعا گو، محمد تاج رضا عطاری**

کبھی عیسائی مسلمانوں کی تقلید پر نازاں ہوتے تھے

حضرت العلام مصباحی صاحب السلام علیکم

اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے، اس کے ہمہ گیر اصول، انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو یکساں تناسب کے ساتھ محیط ہیں۔ حیات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کے لیے اسلام نے پاکیزہ اور بے میل اصول نہ عطا فرمائے ہوں۔ لیکن یہ انسان کی عالم گیر گم راہی رہی ہے کہ اس کے قدم باطل کی جانب بڑی تیزی کے ساتھ بڑھتے ہیں۔ غور کیا جائے تو یہاں بھی صورت حال کا یہی پہلو چسپاں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک مسلمانوں نے اسلام کے روشن و تاباں اصولوں کو اپنی راہوں کے تعین میں دلیل بنایا تو وہ دنیا میں کامیاب و کامران رہے، غیروں کے لیے مشعلِ راہ بنے۔ غیروں نے قوم مسلم کی شان استغنا و استقامت اور خدا پرستی دیکھ کر اپنی نفس پرستیوں اور بد عملیوں کو دور کرنے کی تحریکیں چلائیں، کیا معلوم نہیں ہے کہ ابتدائی صلیبی جنگوں کے دوران عیسائی قوم مسلمانوں کے حرکت وعمل کی تقلید پر نازاں تھی اور ان کا انفعال اس قدر شدید تھا کہ پادری اور فوجی کمانڈر ان کو غیرت دلاتے تھے۔ آج صورت حال بالکل برعکس ہے۔ ہم اپنے نوجوانوں کو مغربی اقوام کی ترقی کے حوالے دے کر غیرت دلاتے ہیں اور فکر ونظر کی عام راہوں میں ان کے نقوش کو اپنے لیے دلیلِ راہ تصور کرتے ہیں۔ اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہمارے بچوں کی پرورش و پرداخت جن حالات اور جن فکری موثرات کے تحت ہوئی وہ اپنے علمی وفکری اور ازلی سرمائے سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ ٹی وی اور فلم بینی ان کے قوائے فکری معطل کر چکی ہوتی ہے۔ ان کے غور وفکر کی ساری توانائی ایکٹر اور ایکٹریس کی تعریف وتوصیف میں گزرتی ہے۔ اخبار ہاتھ میں لے کر سب سے پہلے کھیل کی خبر کا مطالعہ فرماتے ہیں۔ غور کیجیے جس معاشرے میں کبھی اولیاء اللہ اور خدا ترس انسانوں کے واقعات اور قلوب کو جلا بخشنے والی ایمان افروز کہانیوں کا رواج ہو وہاں اخلاق باختگی اور عریانت ونفس پرستی کے علم برداروں کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی جائے گی تو کیا حال ہوگا۔ مسلم معاشرے کی زبوں حالی اور ہر مقام پر قوم مسلم کی ناکامی کے اسباب سرفہرست ہیں ہے۔ ان کے دلوں سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت اور ایک منظم سازش کے تحت اصل مقاصد سے ان کے ذہنوں کو ہٹانا ہے۔ اپنے ماضی کے روشن میناروں کو

دلیل راہ بنا کر مستقبل میں امکانات زیست کی تلاش قوم مسلم کے جیالوں کی شان انفرادیت ہے۔ ان کے پاس علم ونظر کی دولت کا ایسا خزانہ موجود ہے کہ انھیں مغرب کی فصیلوں پر دریوزہ گری کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم نے اپنے علمی وفکری سرمائے کو صرف مایہ فخر سمجھ رکھا ہے۔ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جب تک ہم اپنے بچوں کو اپنے علمی سرمائے سے آشنا نہیں کریں گے، علمی وفکری میدانوں میں دوسروں کی تقلید کرتے رہیں گے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے بچوں کو اسکول اور کالج میں پڑھانے والے والدین ان بچوں کی دینی تعلیم کا بھی اہتمام کریں تاکہ دین ودنیا میں سرخروئی حاصل ہو سکے۔

محمد علی سنبھلی، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

یہ اعزاز اہل سنت و جماعت ہی کو حاصل ہے

محترم مولانا مبارک حسین صاحب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ

سلام مسنون وخلوصِ بیکراں

نومبر 2008ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ اس میں جہاں بہت ساری نگارشات نے اپنی طرف متوجہ کیا وہیں حضرت بیکل اتساہی صاحب مدظلہ کا معذرت نامہ دیکھا۔ اس رخ سے بڑی مسرت ہوئی کہ اہل سنت و جماعت کے گراں مایہ علما ہوں یا گراں قدر شعرا، اکابر علما تک کو دیکھا گیا ہے، بر سر اسٹیج اگر ان کی تقریر کے کسی جملے پر کسی بزرگ مفتی صاحب نے اگر لغزش کا اشارہ کیا تو انھوں نے بغیر کسی قیل وقال کے وہیں اسٹیج ہی پر اپنی توبہ کا اعلان فرما دیا۔ راشٹریہ سہارا اخبار میں چھپے بیکل صاحب کے چند دوہوں پر شرعی گرفت ہوئی تو انھوں نے بھی صدق دل سے اپنا توبہ نامہ ماہ نامہ اشرفیہ میں چھپوا دیا اور کسی طرح کی ندامت یا شرم ساری محسوس نہیں کی۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ اعزاز اہل سنت و جماعت ہی کو حاصل ہے کہ آخرت کی بہبودی اور اللہ کی رضا ورسول کی خوش نودی کو دنیاوی تام جھام پر ترجیح دیتے ہیں، ورنہ دوسری جماعتوں کے لوگ ہیں کہ ان کی کفریہ عبارات پر حرمین شریفین کی تصدیقات کے ساتھ سیکڑوں مفتیانِ ہند نے کفر کے فتوے صادر کیے، لیکن ذرا اس سے مس نہ ہوئے۔ انھوں نے فردوس کے باغ و بہار، بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں والی حورانِ بہشت اور اللہ ورسول کی خوش نودی ورضا پر دنیا کی شہرت، نام وری اور کفر سے اٹھنے والی آخرت کی رسوائیوں اور جہنم کے دہکتے شعلوں کو ترجیح دے دی۔ ذرا نہیں سوچا کہ یہ دنیا چند روزہ ہے اور آخرت کے عذاب وتقیم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

14 رنومبر 2008ء کو فیضان سیدنا اورنگ آباد کے سالانہ دستار فضیلت کے جلسے میں آپ سے ملاقات بڑی مختصر رہی۔ سید محمد القادری انجھری نے جہاں چالیسویں کے نکتے پر بڑی پر جوش تقریر فرمائی وہیں آپ نے بھی اپنی خطابت کے خوب جوہر دکھائے۔ فقط **نازش فیضی گیاوی، عارف نگر گیوال بیگھہ، گیا، بہار**

اردو میں قواعد سازی کی بدعت

محترم مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اردو جدید اور نو پید زبان ہے، یہ ہم سبھی جانتے ہیں۔ نئی زبان ہونے کی حیثیت سے اسے ہر طرح سے باضابطہ بنانے کی کوشش شروع ہی سے کی جاتی رہی ہے۔ صرفی ونحوی ضابطہ سازی کے ساتھ املا وتلفظ کے مسائل پر بھی لکھا گیا ہے، نتیجۃً بہت حد تک مسائل سلجھ گئے، مگر پھر بھی کہیں کہیں اختلاف رائے کی گنجائش موجود ہے۔ ہم ذیل میں املا وتلفظ سے متعلق چند مثالوں پر گفتگو کر رہے ہیں۔

متعدد اردو قواعد نویسوں نے **طوبیٰ، صغریٰ اور عیسیٰ، موسیٰ** وغیرہ کو 'ی' کی جگہ 'الف' سے لکھنے کی وکالت کی ہے۔ **مشکوٰۃ، زکوٰۃ** اور **دعاۃ، قضاۃ** کو لمبی 'ت' سے لکھنے کی ہدایت بھی کی گئی ہے۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ مذہبی ادب میں مذکورہ اوزان کے بہ کثرت کلمات مستعمل ہیں اور اس میں اضافے کی کوئی حد نہیں۔ قارئین حلقہ کے نزدیک یہ مانوس ومعلوم بھی ہیں۔ قارئین ادب اسلامی کا حلقہ بھی وسیع تر ہے۔ اگر یہاں یہ تبدیلی کی جاتی ہے تو ہر طرح سے وسیع تر حلقۂ اہل زبان میں اضطراب وتشویش پیدا ہوگی اور قارئین کے نزدیک اجنبیت و وحشت بڑھے گی۔ غرض یہ تبدیلی عملاً قابل قبول نہیں، اضطراب انگیز ہے۔

قائل، مائل اور **ذرائع، وسائل** وغیرہ کو 'ی' سے **قایل، مایل،** اور **ذرایع، وسایل** لکھنے کی ہدایت کے ساتھ بعض ادبی مجلات میں ایسا لکھا بھی جا رہا ہے۔ یہ مردود جدت طرازی ہے۔ یہ کہنا کہ **قایل، مایل** تلفظ کیا جانے لگا ہے، محض دعویٰ ہے۔ محتاط حضرات یہ تلفظ نہیں کرتے۔ عام پڑھے لکھے افراد بھی کم ہی ایسا بولتے ہیں۔ **ذرائع، وسائل** میں تو یہ حیلے بھی مفقود ہیں۔ **گاؤں، پاؤں** وغیرہ کو

گانو، پانو لکھنا جیسا کہ قلت کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے، **محض** قارئین کی مشکلوں میں اضافہ کرنا ہے۔ اصل کر دینا خواہ مخواہ اور مخالفِ رواجِ عام ہے۔ **کلکتہ، آگرہ، افریقہ** وغیرہ کو 'ہ' سے خلافِ اصل ہونے کے باوجود بھی صرف اس لیے لکھا جا رہا ہے کہ موافقِ رواجِ عام ہے۔ خلافِ اصل اس لیے کہ غیر عربی فارسی میں ہائے مختفی کا وجود نہیں (رشید حسن خاں)۔ سوال یہ بھی ہوگا کہ **طوبیٰ، تعالیٰ، عیسیٰ** اور **قضاۃ، دعاۃ** وغیرہ کو خلافِ اصل لکھے جانے پر اصرار کیوں ہے؟

علماے مدارس پر اردو تلفظ کو لے کر اعتراض کیا جاتا رہا ہے۔ پروفیسر آسی ضیائی پاکستانی لکھتے ہیں: ''بعض علما اپنی پر تکلف - بے تکلف نہیں) گفتگو میں **ص، ح، ع** اور **ث** کا صحیح تلفظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر گھر کی بے تکلف گفتگو میں وہ بھی نہیں۔'' (درست اردو)

اقتباس میں شاید ''صحیح تلفظ'' سے صحیح عربی تلفظ مراد ہے۔ علما پر تکلف کا الزام درست نہیں۔ علماے کرام عموماً عربی پڑھتے پڑھاتے ہیں، جس کی اپنی مخصوص مکیف آواز ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی تجوید و تلاوت جو علما کے لیے لازمۂ حیات ہی کہی جائے، اکثر ہی یا دائمی طور پر علما کو عربی آمیز تلفظ کے اہتمام پر ابھارتی یا مجبور کرتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے کہ ڈھیرے ڈھیرے علماے کرام مخصوص عربی حروف کے مخصوص عربی تلفظ پر بے تکلفی و بے ساختگی کے ساتھ قادر و عامل ہو جاتے ہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے انگریزی ادب سے متاثر بعض ادباے اردو **بوتل، اکادمی، اکتوبر** وغیرہ کا انگریزی آمیز تلفظ **بوٹل، اکیڈمی، اکٹوبر** کرتے ہیں۔ ہم اسے خالص تکلف نہیں کہہ سکتے۔ مزید یہ کہ بعض اوقات عربی تلفظ کی رعایت ناگزیر ہو جاتی بھی ہے۔ صوتی لحاظ سے متشابہ کلمات کے درمیان بسا اوقات عربی آمیز تلفظ ہی باعث امتیاز قرار پاتا ہے، سیاق و سباق ہر جگہ معاون نہیں ٹھہرتا۔ یہ جملے دیکھیں:

''کیا عقرب کا معنی قریب ترین ہے؟''

''صفیر کا معنی سفارت کار نہیں۔''

پھر علماے کرام اتنا گاڑھا تلفظ بھی نہیں کرتے، پوری صحت و رعایت سے اکاّ دکاّ ہی کوئی کرتا ہے، اور ہلکی پھلکی روایت کی بات ہے تو یہ ہونا بھی چاہیے، شائستگی کا احساس ہوتا ہے۔ لہٰذا مخصوص عربی آمیز تلفظ حروف کو بہ لحاظ تلفظ اردو کی ''مردہ لاشیں'' قرار دینا کسی بھی طرح نادرست اور غیر ذمے دارانہ ہے۔

اردو کی ادبی کتابوں میں عربی مصدر مفاعلہ، یا مفاعلت کے تلفظ پر یہ ہدایت ملتی ہے کہ بہ کسرہ حرفِ چہارم صحیح ہے۔ پروفیسر آسی ضیائی لکھتے ہیں: ''**مفاعلہ** کے تمام مصادر کے چوتھے حرف پر اردو میں زیر آتا ہے۔'' (درست اردو)

رشید حسن خاں لکھتے ہیں: ''اردو میں ایسے اکثر الفاظ بہ کسرۂ حرفِ چہارم زبان زد ہیں۔'' (اردو زبان اور قواعد)

رشید حسن خاں بہ فتح چہارم تلفظ میں ثقالت اور روانی کلام میں خلل بھی محسوس کرتے ہیں۔ وہ یہ لکھتے ہوئے شاید خود کو زیادہ محتاط متصور کرتے ہیں کہ: ''بعض الفاظ کی ادائیگی میں کبھی کبھی حرفِ چہارم کا زیر واضح طور پر ادا نہیں ہوتا اور نہ پوری طرح سکون کی کیفیت نمایاں ہوتی ہے۔ سکون اور زیر کی درمیانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔'' (ایضاً)

مگر وہ یہاں ''زیر'' کو زبر سے اور ''بعض الفاظ'' کو بیش تر الفاظ سے بدل دیتے تو شاید زیادہ محتاط رہتے۔ میرے نزدیک سکون اور زیر کی درمیانی کیفیت ان بعض الفاظ کے تلفظ میں محسوس ہوتی ہے جن کا حرف چہارم ''ع'' یا ''ہمزہ'' ہے۔ کچھ حد تک ان کلمات کے تلفظ میں نمایاں ہوتی ہے جن کا چوتھا حرف 'ہ' یا 'ح' ہے: کا تلفظ ذرا تر چھے پن اور زیر سے مانوس تسلیم کرتے ہیں اور فصیح بھی قرار دیتے ہیں، جو صد فی صد درست ہے۔ مگر وہ یہاں بہ کسرۂ حرفِ اول املا کے قائل نہیں۔ یہ یکساں تلفظ میں غیر یکساں عمل اپنانا یا اپنی ہی بات میں تضاد بیانی کے مترادف ہے۔

علماے اردو ادب نے کلمات میں اضافۂ صوت یا تحریک ساکن کے متعلق بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگرچہ بعض لفظوں نے صحت سے بڑھ کر فصاحت کا درجہ بھی حاصل کر لیا ہے، جیسے **حَلْف** سے **حَلَف**، **نَفْی** سے **نَفِی** وغیرہ۔ مگر رشید حسن خاں **فِکَر، عِلَم، صَبَر، ذِکَر، حِفَظ، مُشَک، کُفَر، ظُلِم، اُفَق، شَعُوُر** وغیرہ کو بھی استعمال عام قرار دیتے ہیں اور اس طرح کے تلفظ کی صراحت کے ساتھ ایک مفصل لغت کی تیاری کا مشورہ دیتے ہیں، جب کہ یہ استعمال عوام ہے۔ اس طرح کے تلفظ پر مشتمل لغت عوام کو غلط اور فاسد سند و حوالہ بھی فراہم کر دے گی جس سے اردو کی نفیس و پاکیزہ اور شستہ و شائستہ تلفظ میں زبردست بگاڑ کا

خطرہ پیدا ہوگا، عوام عام تلفظ و استعمال کی اصلاح میں جٹ جائیں گے۔ اردو **موسَم** بہ فتح سوم کتنا رائج، مقبول اور فصیح تلفظ ہے مگر بعض **فیروز اللغات رس افراد** قطعاً تسلیم نہیں کرتے۔ وہ دوسروں ہی کی اصلاح کے درپے ہو جاتے ہیں۔

آخر میں عرض ہے کہ قواعد سازی کا کام انفرادی طور پر نہیں ہونا چاہیے۔ بہتر ہوگا کہ اس کے لیے مستند علماے ادب پر مشتمل ایک مستقل بورڈ تشکیل دیا جائے۔ بورڈ میں علماے مدارس کو بھی شامل کیا جانا ضروری ہے۔ بورڈ ہر طرح کے قواعد و ترجیحات ترتیب دے اور شائع کرے۔ ایک ضخیم و مفصل املا و تلفظ نما لغت کی ترتیب و اشاعت بھی ناگزیر ہے۔ مرورِ ایام کے ساتھ جن کی تجدید و نظرِ ثانی ضروری ہے۔

فقط

محمد ناصر رام پوری، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

سچر کمیشن پر حکومت توجہ کیوں نہیں دیتی

مکرمی سلام مسنون

ہندوستانی سیاست کا المیہ یہ ہے کہ یہاں کے اکثر سیاست داں مذہب، دھرم، ذات پات، علاقہ اور زبان کے زیر اثر لیڈر بنتے ہیں اور زندگی بھر اسی تنگ دائرے میں محصور رہتے ہیں۔ پورے ملک کے تمام باشندوں کی صلاح و فلاح کے سلسلے میں ان کا نظریہ مثبت کم ہی دکھائی دیتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ جس رفتار سے ملک کو ترقی کرنا چاہیے اس رفتار سے ملک ترقی یافتہ نہیں ہو پا رہا ہے۔ ہندوستانی آئین تو یہ کہتا ہے کہ یہاں ہر ایک کو برابری اور مساوات دی جائے گی، ہر ایک کو یکساں مواقع فراہم کیے جائیں گے۔ ہر کامیاب امیدوار اسمبلی اور پارلیمنٹ میں آئینِ ہند سے وفاداری کا حلف لیتا ہے لیکن اپنی سیاسی زندگی میں آئینی فرائض کی خلاف ورزی کو بھی اپنی کامیابی کا ذریعہ مانتا ہے۔ اس خصوص میں سب سے زیادہ اذیت ناک اور افسوس ناک صورتِ حال مسلمانوں کی ہے۔

ہر پارٹی مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کرتی ہے لیکن موقع ملتے ہی اپنی بے ایمانی اور وعدہ خلافی کا ایسا خوف ناک مظاہرہ کرتی ہے کہ ابلیس کی روح بھی اس طرح کی بدعہدی پر کانپنے لگے۔

بھارت کو آزاد ہوئے 60 سال کا عرصہ گزر چکا ہے، مگر مسلمانوں کے جو مسائل آزادی کے وقت تھے، آج بھی وہ تمام مسائل اپنی جگہ بہ دستور قائم ہیں۔ فسادات پر کنٹرول میں اکثر حکومتیں نااہل ثابت ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کو باعزت شہری کا درجہ دینے میں اکثر پارٹیاں بے ایمان ہیں۔ ان کا ووٹ حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس ہزاروں تجاویز ہیں مگر کامیاب ہونے پر عملی اقدامات کے لیے کوئی تجویز نہیں ہے۔ 2003ء میں متحدہ ترقی پسند محاذ سونیا گاندھی کی قیادت میں الیکشن میں کامیاب ہوا۔ اس پارٹی نے اقتدار سنبھالنے کے بعد مسلمانوں کی تعلیمی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل دی تھی جس کا نام ہے ''سچر کمیشن''۔

کمیشن نے سابقہ کمیشنوں کی رپورٹ اور سروے کو بنیاد بنا کر نیز کچھ دیگر شواہد کو بروے کار لا کر نومبر 2006ء میں ایک جامع رپورٹ مرکزی گورنمنٹ کو پیش کر دی۔ ہر طرف خوب واہ واہی ہوئی کہ اب مسلمانوں کے ساتھ ہو رہی ناانصافی کی تلافی کر دی جائے گی اور ان کا حق ان کو مل جائے گا، اور جیسا کہ یہاں کا رواج ہے، چند دنوں بعد وہ رپورٹ سکریٹریٹ کی کسی الماری میں بند کر دی گئی۔ لوک سبھا میں سوال پوچھے جانے پر یوں ہی کہہ دیا گیا کہ رپورٹ پر عمل آوری کے لیے ایک کمیٹی کی تشکیل کر دی گئی ہے، اس کے سجھاؤ اور مشورے کے آنے کے بعد عمل شروع ہو جائے گا۔ لیکن سچر کمیشن کی سفارشات پر عمل آوری کا کوئی سلسلہ شروع نہیں ہوا۔ یعنی اس سے پہلے ''گوپال سنگھ کمیشن'' کا جو حشر ہو چکا ہے وہی حشر سچر کمیشن رپورٹ کا بھی ہونے والا ہے۔

اب لوک سبھا الیکشن کے وقت ووٹ حاصل کرنے کے لیے بہ طورِ وظیفہ اس کا راگ الاپا جائے گا۔ اگر موجودہ حکومت مسلمانوں کے تعلق سے نیک نیت ہے تو اس کی نیک نیتی نظر آنی چاہیے، زبانی جمع خرچ اور اخباری بیان پر مسلمانوں کو قطعاً کوئی یقین نہیں ہے، جب تک کہ عمل سے قول کی تصدیق ظاہر نہ ہو۔ کاش سچر کمیشن کے سلسلے میں وی پی سنگھ جیسا کوئی مردِ آہن وزیر اعظم ہوتا، جنھوں نے 1990ء میں اپنی لولی لنگڑی گورنمنٹ کے باوجود منڈل کمیشن کی سفارشات کو لاگو کر دیا۔

دھمکیاں ملیں، تحریکیں چلیں، راستے جام ہوئے، خودسوزیاں ہوئیں، میڈیا والے چلاتے رہے، فرقہ پرست برہمن لابی ملک میں آگ اور خون کی ہولی کھیلنے کی کوشش کرتے رہے، مگر انھوں نے ایک آئینی ذمہ داری پوری کی تھی، اس لیے وہ مطمئن رہے۔ انھوں نے ملک سے وفاداری کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ کوئی اڈوانی اور اٹل بہاری کی طرح بابری مسجد گرانے کی کوئی تحریک نہیں چلائے تھے بلکہ ہندوستان کے وزیر اعظم

ہونے کے ناتے ہندوستانی عوام کی بھلائی کے لیے ٹھوس اقدام کیا تھا۔

ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے۔ راجستھان کی گوجر برادری کے مطالبہ کو حکومت نے نظر انداز کیا تو پوری برادری مرنے اور مارنے پر کمر بستہ ہوگئی اور فوراً حکومت نے ان کا مطالبہ مان لیا۔ لیکن مسلمانوں کے تعلق سے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کے ذہن و دماغ کو سنگھ پریوار نے یرغمال بنا رکھا ہے۔ سب وہی کر رہے ہیں جو سنگھ پریوار چاہتا ہے کہ مسلمان اس ملک میں نمبر دو کے شہری بن جائیں اور تمام قانونی حقوق سے محروم ہو جائیں۔ اگر مرکزی حکومت الیکشن سے پہلے سچر کمیشن کی سفارشات کو نافذ نہیں کرتی تو مسلمان یہ سمجھنے میں حق بہ جانب ہوں گے کہ حکومت کی نیت بالکل صاف نہیں ہے اور وہ جاہل ناخواندہ اور پس ماندہ قوم کو بیوقوف بنا کر صرف اپنا الو سیدھا کر رہی ہے۔ آخر گورنمنٹ کو سچر کمیشن کی سفارشات کے نفاذ میں کیا رکاوٹ ہے ''اپوزیشن کی دھمکی یا قانونی پیچیدگی''؟ وجہ کچھ بھی ہو، اسے دور کرنا اور لائق عمل بنانا حکومت ہی کا کام ہے۔ ہمارا کام صرف ایک مطالبہ ہے کہ اگر کمیشن کا قیام مسلمانوں کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے کیا گیا تھا تو اس کی سفارشات پر جلد از جلد عمل کیا جائے اور فرقہ پرستوں کے واویلا کو قطعاً نظر انداز کیا جائے کیوں کہ بھاجپا اور شیوسینا جیسی فاشسٹ فرقہ پرست پارٹیاں تو چاہتی ہی یہی ہیں کہ مسلمانوں کے تعلق سے ہر ایک ایشو کو تنازع کا شکار بنا دیا جائے اور مسلمان کبھی بھی پس ماندگی کے غار سے نہ نکل سکیں، تا کہ ہماری گندی سیاست کا سکہ چلتا رہے۔ کانگریس اور کمیونسٹ پارٹیوں کے اتحاد سے تشکیل شدہ مورچہ بھی اگر مذکورہ کمیشن کی سفارشات کو نافذ کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمانوں نے جنگِ آزادی میں جو جانی و مالی قربانیاں دی ہیں ان پر پانی پھیر دیا جائے اور پچیس کروڑ کی مسلم آبادی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے اور آئینِ ہند کی بعض دفعات پر عمل نہ کرنے کا جو مظاہرہ ساٹھ سال سے جاری ہے وہ سلسلہ چلتا رہے۔ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے تعلق سے اب تک جتنے کمیشن بنے ہیں، ان کی سفارشات پر عمل نہ کر پانے کے لیے حکومتوں کے ساتھ مسلم لیڈران بھی کم ذمہ دار نہیں ہیں جو مذہبی اور جذباتی ایشو چھیڑ کر تحریکیں چلاتے ہیں۔ حکومت و اقتدار کے مناصب و عہدے حاصل کرتے ہیں مگر گورنمنٹی تجاویز کی تنفیذ کے لیے کوئی تحریک نہیں چھیڑتے، عدلیہ سے رجوع نہیں کرتے بلکہ اپنی پارٹیوں کے وفادار سپاہی بن کر ... کے غلام بنے رہتے ہیں۔

فقط

عبد الرحمٰن، استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی

ص: 33 کا بقیہ

1947ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ ''یروشلم پر فریقین میں سے کسی بھی گروپ کی حاکمیت قائم نہ ہوگی بلکہ اس تنظیم کے ماتحت ایک بین الاقوامی حکومت ہوگی''۔ اسرائیل نے اولاً اس حکم کو مان لیا مگر بعد میں مکر گیا اور اقوام متحدہ کی حکم عدولی کرتے ہوئے ''یروشلم'' کو دار الحکومت کی حیثیت سے اپنے میں ضم کر لیا۔ یہ عالمی برادری کی توہین اور بین الاقوامی عدالت کی خلاف ورزی نہیں تو اور کیا ہے؟

یوں ہی 14 دسمبر ۱۹۸۱ء میں اسرائیل نے U.N.O. کے فیصلے کو پاؤں تلے روندتے ہوئے شام کی جولان کی پہاڑیوں کو اپنے اندر ضم کر لیا۔ (ایضاً، ص: ۳۳۵)

آئے دن اسرائیل کا یہ معمول بنتا جا رہا ہے کہ وہ فلسطین کی اراضی کو ہڑپ کر اپنی سلطنت کی توسیع میں مگن ہے۔ اس طرح اقوام متحدہ نے بار بار اسرائیل سے مطالبہ کیا کہ وہ مقبوضہ علاقوں میں یہودی بستیاں تعمیر کرنے کا سلسلہ بند کرے اور 1948ء بعدہ 1967ء کے عرب اسرائیل تنازع سے متاثر فلسطینی عوام جو پناہ گزیں کیمپوں میں زندگی گزار رہے ہیں، انھیں دوبارہ اپنے وطن لوٹنے کی اجازت دی جائے، مگر اسرائیل نے ایک بھی نہ سنی۔

ایک اندازے کے مطابق سلامتی کونسل کی 65 قراردادیں اسرائیل کی مخالفت اور مذمت میں سامنے آچکی ہیں۔ جب کہ الگ الگ 29 مواقع ایسے ہیں جس میں امریکہ نے اپنا ویٹو پاور استعمال کر کے سکیورٹی کونسل کو اسرائیل کے خلاف قرارداد منظور کرنے سے باز رکھا۔ (ایضاً، ص: 202)

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ اسرائیل، اقوام متحدہ کے اصول و قوانین کو بازیچۂ اطفال اور مٹی کے کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔

لہٰذا اب بھی وقت ہے کہ اقوام متحدہ کے منشور میں جدید اصلاحات کے ساتھ اسرائیل کی امن مخالف پالیسیوں پر پابندی عائد کی جائے، ورنہ وہ دن دور نہیں جب اس عالمی تنظیم کا رہا سہا بھرم بھی یہودیوں کے ہاتھوں خاک میں مل جائے گا۔

خیر و خبر

دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی کا جشن زریں

الحمد للہ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی ضلع بستی یو. پی. (قائم شدہ 1952ء) اپنے قیام کے پچاس برس پورا کر چکا ہے اور خلیفۂ اعلیٰ حضرت مبلغ اسلام علامہ شاہ عبد العلیم میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان (متوفی 1954ء) کے وصال کو بھی پچاس برس پورے ہو چکے ہیں۔ یہ دار العلوم آپ ہی کے ایما اور علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحریک پر الحاج سیٹھ شمس الحق علیمی مرحوم اور ان کے رفقا نے قائم کیا تھا۔

دار العلوم علیمیہ کے ارباب حل وعقد بالخصوص حضرت مولانا معین الحق علیمی صدر ادارہ نے مبلغ اسلام کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے اس مناسبت سے جشن زریں (گولڈن جبلی) منانے کا فیصلہ کیا ہے، جس کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔

مارچ 2009ء کے اواخر میں اس موقع پر ایک عالمی سمینار منعقد کرنے کا بھی پروگرام ہے اور دار العلوم علیمیہ کا ترجمان ماہ نامہ ''پیامِ حرم'' مبلغ اسلام کی شخصیت اور انٹرنیشنل تبلیغی خدمات کے موضوع پر ایک ضخیم خصوصی شمارہ بھی شائع کرے گا۔ اہل علم و قلم سے رابطہ جاری ہے۔

اس خصوصی نمبر کی خاطر حضرت مبلغ اسلام اور حضرت علامہ شاہ احمد نورانی کے تعلق سے کوئی بھی مواد کیسٹ، سی ڈی، مکتوب، ان کی کوئی کتاب، یا ان پر کوئی کتاب یا مضمون ہو تو ہمیں فراہم کرائیں یا ان سے ذاتی ملاقات کی سرگزشت یا ان کے کسی مرید، یا خلیفہ یا ملنے والے سے کوئی واقعہ سنا ہو تو اسے درج ذیل پتہ پر ارسال فرمائیں، یا آپ خود ان کی شخصیت کے کسی گوشے پر کوئی مضمون لکھ سکتے ہوں تو جنوری کے اواخر تک ارسال فرما دیں، تا کہ کمپوزنگ اور طباعت میں تاخیر نہ ہو اور سمینار سے پہلے یہ نمبر چھپ جائے اور سمینار میں اس کا اجرا ہو سکے۔ والسلام

فروغ احمد اعظمی مصباحی

رابطہ: ایڈیٹر ماہ نامہ پیامِ حرم، دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی، یو. پی.

اورنگ آباد میں دو روزہ عظیم الشان کانفرنس

قطب الاقطاب نائب غوث الثقلین سیدنا محمد قادری بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی اور روحانی یادگار دار العلوم فیضان سیدنا میں جلسۂ دستار بندی کے موقع پر دو روزہ عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ جلسہ کی صدارت امام ملت حضرت علامہ مفتی سید اصغر امام قادری بانی و سربراہِ اعلیٰ دار العلوم فیضان سیدنا اورنگ آباد و دار العلوم امجھر شریف نے فرمائی۔

پہلے دن 13 نومبر بروز جمعرات خواتین کا جلسہ بنام ردائے فاطمہ کانفرنس منایا گیا، جس میں جامعہ رقیہ للبنات کے قیام، اس کے اغراض و مقاصد، دور حاضر میں اس کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی گئی۔ اخیر میں فارغ ہونے والی خواتین کو ردائے فاطمہ سے نوازا گیا۔

دوسرے دن بعد نمازِ جمعہ علامہ عبد الشکور شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے ختم بخاری شریف کی ذمہ داری نبھائی۔ بعد نمازِ عصر جامعہ رقیہ للبنات کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ بعد نماز عشا تلاوت قرآن پاک سے جلسے کا آغاز ہوا۔ پھر شعرا حضرات نے نعت خوانی سے وہ سماں باندھا کہ مجمع جھوم گیا۔ دل کش رانچوی، انوار احمد زم زم فتح پوری اور صغیر احمد مراد آبادی نے نعت و منقبت پیش کی۔ مقررین میں شہزادۂ امام ملت سید احمد القادری نے اسوۂ رسول کے عنوان پر ایک جامع تقریر فرمائی، پھر مولانا ذکر اللہ صاحب نے ایک اچھی تقریر سے سامعین کو نوازا ان کے بعد فخر صحافت حضرت علامہ و مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے حالات حاضرہ پر ایک جامع تقریر فرمائی۔ میڈیا اور حکومت نے مسلمانوں پر جو دہشت گردی کا لیبل چسپاں کیا ہے اس سلسلے میں انھوں نے ان کے سوتیلے پن کو واضح کیا اور ثابت کیا کہ دہشت گرد مسلمان نہیں ہیں بلکہ دہشت گرد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کو طرح طرح سے ہراساں کر رہے ہیں۔ اس کے بعد فارغ ہونے والے 35 طلبہ کو جبہ و دستار سے نوازا گیا۔ رسم دستار بندی کے بعد خیر الاذکیا صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی پرنسپل جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے چند ناصحانہ کلمات سے نوازا ان کے بعد علامہ عبد الشکور صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے تقریر فرمائی۔ اخیر میں امام ملت حضرت علامہ سید اصغر امام قادری نے تقریر فرمائی۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے استاذ جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ مسجد بنانا بھی

کارِ ثواب ہے اور مدرسہ بنانا بھی کارِ ثواب ہے، لیکن میں نے مدرسہ بنانے کو ترجیح دی، اس لیے کہ اگر مدارس رہیں گے تو مسجدیں بھی آباد رہیں گی اور اگر مدارس ویران ہو گئے تو مسجدیں بھی ویران ہو جائیں گی۔ ہم نے اپنے استاذ کے اس قول کو اپنے لیے مشعل راہ بنایا اور الحمدللہ ہم نے اب تک چھوٹے بڑے 32/ ادارے قائم کیے اور باقی اداروں کی ذمہ داریاں اس کے لائق لوگوں کے سپرد کر دیں۔ اخیر میں صلاۃ و سلام کے بعد حضور امام ملت کی رقت انگیز دعاؤں کے ساتھ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

محمد افسر رضا مصباحی، دارالعلوم فیضان سیدنا، اورنگ آباد، بہار

سوجا شریف میں جشن افتتاح بخاری و عرس صدیقی

2/ نومبر 2008ء بروز اتوار پیر طریقت حضرت علامہ الحاج سید غلام حسین شاہ جیلانی مدظلہ النورانی کی سرپرستی میں دارالعلوم فیض صدیقیہ سوجا شریف کے میدان میں جشن افتتاح بخاری شریف و عرس حضرت سیدنا قیوم زماں الشاہ صدیق اللہ ملا کاتیاری علیہ الرحمہ نہایت ہی تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ ناظم جلسہ نے قرآن مجید کی تلاوت سے نورانی محفل کا آغاز کیا۔ بعدہ جامعہ کے نعت خواں طلبہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہے۔ حضرت مولانا محمد رحیم اکبری نے بہ زبان سندھی خطاب فرمایا۔ آخر میں مہمان خاص مفتی قدرت اللہ رضوی پرنسپل دارالعلوم تنویر الاسلام امر ذو بھانے محبت رسول اور احوال امام بخاری و اہمیت حدیث پر ولولہ انگیز خطاب فرمایا۔ پھر دورۂ حدیث پڑھنے والے طلبہ کو بخاری شریف کی پہلی حدیث پڑھا کر افتتاح بخاری کی تقریب سعید کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ آخر میں صلاۃ و سلام اور قائد اہل سنت کی رقت انگیز دعا پر جلسہ کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

محمد رحیم صدیقی، الجامعۃ الصدیقیہ سوجا شریف

تنظیم ائمۂ مساجد و مدارس اہل سنت کا قیام

مورخہ 25/ ذی قعدہ 1429ھ بروز پیر مفتی راجستھان کی سرپرستی میں جامعہ اہل سنت تعلیم القرآن موضع حاجی پور سنبھل میں علاقہ کے تمام ائمہ و مدرسین کی ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی جس میں مسلمانوں کی موجودہ پستی و تنزلی اور دین سے دوری کے تمام پہلوؤں پر غور کیا گیا اور اس کا علاج تجویز کرنے پر توجہ دلائی گئی۔ ائمہ حضرات جو قوم کے رہبر و قائد ہیں، ان کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا گیا۔ تنظیم کے اغراض و مقاصد پر نفیس احمد نوری اشفاقی نے ایک مقالہ پیش کیا جس میں علمائے دین کی ذمہ داریوں کی طرف بھرپور توجہ دلائی گئی، مقالہ میں کچھ قراردادیں بھی پیش کی گئیں جن کو مناسب رد و بدل کے بعد منظور کر لیا گیا، جن میں ائمہ حضرات کو متوجہ کیا گیا کہ آپ سب اپنے حلقۂ اثر میں مسلک اہل سنت کی اشاعت کا بیڑا اٹھائیں۔ ہفتہ میں ایک دن اپنی مسجد کے چند نفوس پر مشتمل کارگزار حضرات کو لے کر بستی میں گشت کریں اور نماز کی دعوت دیں۔ ہر مسجد میں تعلیم بالغاں کے نام سے رات کو تعلیم کا آغاز کیا جائے۔ تاکہ بدمذہبوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہا جا سکے اور جو لوگ نماز کی تبلیغ کے نام سے اہل ایمان کے ایمان پر ڈاکا ڈالتے ہیں، ان کی شرارتوں سے محفوظ و مامون رہا جا سکے۔ اس کے لیے خالی بیٹھنے کی نہیں کام کی ضرورت ہے۔ حضور مفتی راجستھان نے تنظیم کا نام تجویز فرمایا اور دو سال کے لیے تنظیم کا صدر دفتر مدرسہ تعلیم القرآن حاجی پور ہی کو تجویز کیا گیا۔ اور تنظیم کی صدارت کے لیے نفیس اختر نوری اشفاقی کا نام پیش کیا جس کو تمام اہل مجلس نے قبول کیا۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے ہر امام پورے جوش و خروش سے اپنے حلقے میں کام کر رہا ہے۔ اور ہر بستی میں یہاں کافی مثبت اثرات دیکھنے کو مل رہے ہیں، واقعی ہم لوگ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ لیں تو پھر ملت میں نیا انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ اس تنظیم کی ہر ماہ ایک میٹنگ ہوگی، ہر برائی کے لیے آواز بلند کی جائے گی، پمفلٹ تقسیم کرائے جائیں گے، سنتوں کی اشاعت کی جائے گی اور بالخصوص مسلک اہل سنت کی تبلیغ کی جائے گی۔ یہ ہی اس تنظیم کا مقصد ہے۔

نفیس اختر نوری، جامعہ تعلیم القرآن، موضع حاجی پور، سنبھل

R.N.I. No. 29292/76 Regd. No. AZM/N.P.28

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA) Ph. (05462) 250149, 250092, Fax:251448